مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ

نقوش اسلام

VOL.No. 2	اپریل ۲۰۰۷ء (April ,2007) ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	Issue.No . 2

زیر سرپرستی

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی
☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت
☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
☆ مولانا محمد صالح جی
☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
☆ مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

☆ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
☆ مولانا محمد ساجد عزیزی قاسمی
☆ مولانا محمد عمر قاسمی
☆ مولانا محمد نظام الدین ندوی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

سب ایڈیٹر
محمد ارشد فیضی
9758636871

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ .... ۱۰ / روپے
سالانہ .... ۱۰۰ / روپے
خصوصی .... ۳۰۰۰ / روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
EDITOR:MOHD. MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ — **سفرنامہ**		۳
بھٹکل، ممبئی، اکل کوا، بھروچ............	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سیرت رسولؐ		۱۳
رسول ﷺ کی خانگی زندگی	مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ	
دعوت فکر		۱۹
رزق حلال کی جستجو	مولانا محمد نسیم اختر شاہ قیصر دار العلوم دیوبند	
جائزہ		۲۱
یورپ کی بھیانک مذہبی عدالت کی سرگزشت	محمد زکریا ورک	
مکتوبات اکابر		۲۵
مکتوبات مولانا سید رشید الدین حمیدی	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ایمان کی بادبہاری		۲۸
دو عیسائی لڑکیاں اسلام کی آغوش میں	مولانا ابرار احمد اجراوی	
قیام لیل		۳۰
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی	مولانا محمد نظام الدین ندوی	
دعوت فکر وعمل		۳۲
اہل مدارس کے لیے غور وخوض کے کچھ اہم پہلو	محمد ارشد فیضی	
محاسن اسلام		۳۷
کیسا بے رحم ہے انسان	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
ترھیبات		۳۹
جہنم کے خوفناک مناظر	حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری	
رپورٹ		۴۶
مرکز میں جلسہ تقسیم انعامات واصلاح معاشرہ	ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی	
مراسلات		۴۷
آپ کے خطوط		
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبد الستار عزیزی	

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

۱/۴

E.mail:masood_azizi@rediffmail.com --------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائیننگ: حمید اللہ قاسمی رابطہ کے لیے 9719639955 ☆ عزیزی کمپیوٹر سنٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

بھٹکل، ممبئی، اکل کوا، بھروچ اور سورت کا سفرنامہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

مولانا محمد الیاس صاحب ندوی نے مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل (کرناٹک) کے زیر اہتمام آل انڈیا مسلم منیجمینٹ اسکولس وکالجس کے ذمہ داروں کا دوروزہ کل ہند سمینار ۲۴/۲۵ رفروری ۲۰۰۷ء کو بھٹکل میں منعقد کیا، جس میں شرکت کے لیے راقم سطور کو بھی دعوت دی، چنانچہ اس پروگرام میں شرکت کے لیے راقم سطور نے اپنے ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے ایک مدرس قاری محمد مشفق قاسمی کو رفیق سفر کے طور پر ساتھ لیا اور ہم ۲۱/مارچ ۲۰۰۷ء بروز بدھ کی صبح ۹:۲۰ ربجکر دہلی سے منگلہ ایکسپریس پر سوار ہوکر جمعرات کو رات کے ۱۰:۴۰ رپر بھٹکل پہنچے، جامعہ اسلامیہ میں قیام کا نظم تھا، ہمیں دارالاساتذہ میں ٹھہرایا گیا، حافظ کبیر الدین ہردوئی والوں نے ہر طرح سہولت بہم پہنچائی، ۲۳/فروری جمعہ کی صبح کو مولانا الیاس صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی، ناشتہ کے بعد حافظ کبیر الدین نے جامعہ کا معائنہ کرایا، اور تفصیل سے معلومات فراہم کی۔

جامع مسجد بھٹکل میں: جمعہ کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھنے کا نظم کیا گیا تھا، یہ جامع مسجد ۸۵۱ھ میں تعمیر کی گئی تھی، چنانچہ وہاں ہم نے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی، خطبہ میں مولانا موصوف نے واقعہ ہجرت کو بیان کیا اور جمعہ کی نماز کے بعد اس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا، ہجرت کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غار کے اندر ہونے اور مشرکین کے آنے سے پہلے مکڑی کے جالا بننے اور کبوتر کے انڈے دینے اور پھر اس کے بعد سراقہ ابن مالک بن جعشم کی سواری کے پاؤں زمین میں دھنسنے کے واقعہ سے یہ نکتہ بیان کیا کہ اللہ تعالی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کی ایسے ہی حفاظت کرتا ہے اور وہ لوگ کسی بھی موقع پر ضائع نہیں ہوتے، نماز جمعہ کے بعد مولانا سے مصافحہ وملاقات اور تعارف ہوا، وہیں مولانا عبدالرب صاحب خطیبی ندوی اور مولانا اسامہ ندوی سے بھی ملاقات ہوئی، یہ تینوں حضرات ''نقوش اسلام'' کے حوالے سے اس نامہ سیاہ سے غائبانہ واقف تھے، اس لیے ملاقات میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوا، پھر جامعہ پہنچ کر کھانا کھایا، اس کے بعد مولانا انصار خطیب ندوی سے ملاقات ہوئی اور چند لمحے ان کے ساتھ باتوں میں گذرے، عصر کے بعد عصرانہ ہوا، جس میں سبھی آنے والے مہمان شریک ہوئے، مغرب کی نماز کے بعد ایک چائے کی مجلس ہوئی، جس میں مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا مختصر تعارف کرایا، جس میں خاص طور پر انہوں نے یہ بتلایا کہ ابتداءً یہ جامعہ ایک طالب علم اور ایک استاذ سے ۱۹۶۲ء میں شروع ہوا، اور پھر ۱۹۷۴ء میں مستقل اس کا سنگ بنیاد جامعہ آباد میں کرکے اس کی عمارت تعمیر ہوئی، جس پر اس جگہ یہ جامعہ موجود ہے اور یہ ۲۲/ایکڑ زمین ہے، اس ادارے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا نے بتلایا کہ یہاں پر ۹۵/فیصد طلبہ بھٹکل کے اور باقی پانچ فیصد اطراف بھٹکل کے ہیں اور تمام طلبہ کھاتے پیتے گھرانوں کے ہیں، اس لیے تمام

ہی طلبہ خورا کی فیس جمع کرتے ہیں، نیز یہ بھی بتلایا کہ فقہ شافعی یہاں کا امتیاز ہے، اور بھی اس سلسلے کی مولانا نے بہت سی باتیں بتلائیں، عشاء بعد کھانا ہوا۔

سمینار اور اس کے موضوع

۲۴/مارچ کی صبح ۱۰/بجے سے سمینار کے پروگرام شروع ہوئے، جس میں کل ۶/نشستیں ہوئیں، جن میں بالترتیب مندرجہ ذیل موضوعات پر گفتگو ہوئی:

(۱) سمینار کے اغراض ومقاصد واکیڈمی کا تعارف۔ (۲) اسکولس وکالجس میں کلچرل پروگرام وغیرہ کے نام سے دینی شعائر کی پامالی کا جائزہ اور اس کا سدباب۔ (۳) مخلوط تعلیم کے منفی اثرات اور اس کا تدارک۔ (۴) اساتذہ وطلبہ کی دینی وفکری تربیت۔ (۵) عصری درسگاہوں میں بنیادی دینی تعلیمات کے لیے تیار کردہ نصاب ''اسلامیات'' اور اس کے مثبت اثرات کا جائزہ۔ (۶) سمینار کی جملہ نشستوں کا خلاصہ اور عملی لائحہ عمل اور ہر صوبہ میں اس طرح کے پروگرام کی تاریخوں کی قطعیت۔

ایک جلسہ تقسیم انعامات واصلاح معاشرہ کے عنوان سے انجمن گراونڈ میں بھی ہوا۔

پروگرام کے شرکاء: اس پروگرام میں شرکت کرنے والوں میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی، مولانا عبدالعزیز ندوی بھٹکلی، مولانا اسرار الحق قاسمی، کمال فاروقی صاحب دہلی، قمرالاسلام گلبرگہ، مولانا ریاض الرحمٰن رشادی بنگلور، ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی علی گڈھ، سید خلیل الرحمٰن دوبئی، بشیر الدین بابو حیدرآباد، منور پیر پونہ، عبدالرحمٰن قمرالدین میسور، تاج محمد خاں میسور وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے اسکولس وکالجس کے ذمہ داران حضرات بھی شریک تھے، اس سمینار کا دراصل مرکزی موضوع ''اسکولس وکالجز کی ترقی اسلامی نقطہ نظر سے'' تھا، اسی موقع پر مولانا الیاس صاحب کے تیار کردہ ''اسلامیات'' کے نصاب کا ہندوستان کے جن ۲۲/ہزار شرکاء اسکول وکالجز اور مدارس کے طلبہ نے امتحانات دئے تھے، ان میں سے ہر ایک اسکول وکالج کے تقریباً ۱۵/بچوں میں اول آنے والے کو سلور میڈل اور ۳۰/بچوں میں اول آنے والے کو گولڈ میڈل جیسے انعامات سے نوازا گیا، اس طرح پورے ملک میں تقریباً آٹھ سو گولڈ میڈل اور پندرہ سو سلور میڈل دئے گئے، پورے ہندوستان میں اسلامیات کے اس کورس میں اول نمبر پر آنیوالی ایک غیر مسلمہ لڑکی بھارتی کو فرسٹ انعام میں ۸/گرام سونا ملا، باقی جن اداروں سے زیادہ طلبہ نے شرکت کی ان کے ذمہ داران کو بھی اعزازی طور پر گولڈ میڈل سے نوازا گیا، مرکز احیاء الفکر اسلامی کے تحت چلنے والے لڑکے اور لڑکیوں کے اداروں سے ۶۲/طلبہ وطالبات نے اس کورس کے امتحانات میں شرکت کی، جس پر ہمارے یہاں کے ۴/بچوں کو سلور میڈل اور دو بچوں کو گولڈ میڈل کے انعامات ملے اور اعزازی طور پر ایک گولڈ میڈل مرکز کو دیا گیا۔

بھٹکل کی تاریخی وجغرافیائی حیثیت: ہندوستان کے صوبہ کرناٹک کے مغربی ساحل پر بحیرہ عرب کے مشرق میں واقع شہر بھٹکل کا شمار رقبہ وآبادی میں اپنی محدودیت کے باوجود تاریخی وجغرافیائی اعتبار سے ملک کے اہم ترین علاقوں میں ہوتا ہے، مشہور مؤرخ مولانا ابوظفر ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہی وہ علاقہ ہے جہاں آٹھویں صدی ہجری میں سندھ کی طرح خالص عربوں کی حکومت قائم تھی'' آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ جب مصر، شام اور چین وغیرہ کے دورے کے بعد ہندوستان پہنچا تو اس نے اس تاریخی شہر میں بھی حاضری دی

اور یہاں کے اسلامی ماحول سے متأثر ہوکر اپنے سفر نامہ ''رحلۃ ابن بطوطہ'' میں اس علاقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں کی بعض دینی خصوصیات کو میں نے مجموعی طور پر دنیا میں کہیں نہیں پایا، نیز یہ بھی لکھا کہ ''بھٹکل کے مسلمان مسلکاً شافعی، دیندار و با اخلاق، جذبہ جہاد سے سرشار اور انتہائی بہادر ہیں، جس کے لیے ان کی دور دور تک شہرت ہے، یہاں کے باشندوں کو زراعت سے دلچسپی نہیں، وہ بالعموم تجارت پیشہ ہیں، عورتیں سلے کپڑے نہیں پہنتیں؛ لیکن انتہائی پاک دامن اور سب کی سب حافظات قرآن ہیں، پورے شہر میں مردوں کی دینی تعلیم کے ۱۳ر اور عورتوں کے ۲۳ر مدرسے ہیں، یہ خصوصیات میں نے سوائے اس جگہ کے کہیں اور نہیں دیکھی''۔

جغرافیائی اعتبار سے بھی یہ علاقہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، قدرت نے فطری حسن و جمال سے بھی اس کو غیر معمولی طور پر نوازا ہے، ایک طرف مغرب میں بحیرہ عرب کی بادنسیم لی ہوئی لہراتی موجیں اپنے مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں، تو دوسری طرف مشرق میں ٹیک لگائے بلند قامت پہاڑی سلسلے ان کی حفاظت کے فرائض انجام دیتے ہیں، شمال وجنوب کے گھنے جنگلات و ناریل کے خوبصورت باغات نے اس کی دلفریبی ورعنائی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

معہد امام حسن البناء شہید میں: ۲۴ر فروری ۲۰۰۷ء بروز سنیچر بعد نماز مغرب مولانا محمد ناصر اکرمی استاذ جامعہ اسلامیہ بھٹکل وناظم معہد حسن البناء شہید کی دعوت پر ان کی معیت میں معہد پہنچے اور معہد کے مختلف شعبوں مثلاً کتب خانہ، دار المطالعہ وغیرہ کو دیکھنے کا موقعہ ملا اور اس کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل ہوئی، یہ معہد ۷ر اگست ۱۹۸۸ء میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ہاتھوں قائم کی گئی، اس موقع پر ہمارے ساتھ مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ڈاکٹر محمد غیاث صاحب ندوی علی گڈھی اور مولانا انعام اللہ صاحب ندوی اور ہمارے رفیق درس مولانا محمد ایوب بھوپالی ندوی تھے۔

مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل: اکیڈمی جس کی دعوت پر ہمیں بھٹکل کو دیکھنے کا موقع ملا، ۲۴، ۲۵ر فروری کو اسی میں پروگرام کی چار نشستیں ہوئیں، اکیڈمی کی ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت ہے، جو بڑے اچھے سلیقہ سے بنائی گئی ہے، اکیڈمی کے بہت ہی مہتم بالشان اور عظیم مقاصد ہیں، یہ اکیڈمی ۲۱ر جون ۲۰۰۱ء میں قائم کی گئی، مولانا محمد الیاس صاحب ندوی بھٹکلی اس کے بانی ومبانی اور ذمہ دار ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بھٹکل: جہاں پر ہمارے قیام وطعام کا انتظام تھا، اس جامعہ کا قیام ۲۰ر اگست ۱۹۶۲ء میں ہوا، یہاں کے اساتذہ وطلبہ بڑے با اخلاق اور سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں، اس ادارے کے ناظم ماسٹر محمد شفیع صاحب بڑے مخلص اور ملنسار ہیں اور مہتمم مولانا عبدالباری صاحب ندوی بڑے متواضع وعلمی اور سادہ انسان ہیں، وہ بہت ہی محبت واخلاص سے پیش آئے اور اعلی اخلاق کا مظاہرہ کیا، جامعہ کے بارے میں ان سے تبادلہ خیال بھی ہوا، اس دوران انہوں نے جامعہ کی بہت سی خصوصیات بیان کیں، یہ جامعہ ندوۃ العلماء کی اہم ترین شاخوں میں سے ایک ہے، عالمیت تک کی مکمل تعلیم (عالیہ رابعہ تک) یہاں ہوتی ہے، سالانہ امتحان ندوہ میں ہوتا ہے۔

انجینئرنگ و آرٹ کالج انجمن آباد میں: ۲۵ر فروری کو پانچویں نشست کے ختم پر ظہر کی نماز سے پہلے تمام مندوبین انجمن حامی مسلمین بھٹکل کے زیر انتظام انجینئرنگ کالج و آرٹ کالج کی زیارت کے لیے ایک پہاڑ پر گئے، وہاں کالج کی مسجد میں نماز ظہر ادا کی، نماز کے بعد انجمن کے انجینئرنگ کالج کا معائنہ کیا، اس کی خوبصورت دو منزلہ عمارت دیکھی اور مختلف شعبہ جات کا مشاہدہ کیا، جس انجمن کے تحت یہ کالج ہے، اس کی ابتداء ۱۹۱۹ء میں ہوئی، اس کے تحت مختلف نرسری اور پرائمری اسکولس، آرٹس، سائنس اور کامرس کالجز وانجینئرنگ کالج کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ آف مینیجمینٹ کے ساتھ تقریباً درجن بھر تعلیمی ادارے میدان عمل میں ہیں، کالج کے ذمہ دار نے بتلایا کہ اگر حکومت

کے ادارے میں داخلے کے ایک لاکھ روپئے لیے جاتے ہیں تو ہم صرف پچاس ہزار لیتے ہیں؛ لیکن انہوں نے اس کی شکایت کی کہ یہاں علاقہ اور کرناٹک کے طلبہ نہیں ملتے باہر کے آتے ہیں، یہاں کی زیارت کے بعد ہم لوگ جامعہ پہنچے اور کھانا کھایا۔

ساحل سمندر تنگنگنڈی جامع مسجد میں: عصر کی نماز کے بعد بھٹکل سے قریب ایک آبادی تنگنگنڈی کی جامع مسجد گئے، وہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بیان کا پروگرام تھا، جس میں بھٹکل اور آس پاس کے ندوہ کے ابنائے قدیم کو جمع کیا گیا تھا، حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی نے بیان کیا، جس میں انہوں نے علماء کی ذمہ داری کو بتلایا اور بتلایا کہ یہ ندوے کی خصوصیت ہے کہ وہ حال اور مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے اور خطرات کو سمجھتا ہے، یہ پروگرام مدرسہ کی عمارت میں ہوا، اور مغرب کی نماز مسجد میں ادا کی، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی کا خطاب نماز بعد عوام کے لیے ہوا، ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر جامعہ آ گئے۔

طلبہ جامعہ کی طرف سے مہمانوں کا استقبال: عشاء کی نماز بعد طلباء جامعہ کی تنظیم "اللجنۃ العربیۃ" کا استقبالیہ پروگرام ہوا، جس میں طلبہ نے اردو اور عربی میں تقریریں پیش کیں اور مہمانوں کو استقبالیہ دیا، حضرت مولانا واضح رشید ندوی نے عربی میں طلبہ کو خطاب کیا اور اہم جامع نصیحتیں کیں اور آج کل کی سیاست کو انتہازی یعنی موقع پرست قرار دیا، اس کے بعد مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی نے واقعات کی روشنی میں نصیحتیں کیں، پھر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی کے خطاب پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

اسلامک ویلفیر سوسائٹی بھٹکل میں: ۲۶ر فروری کو مولانا صادق صاحب ندوی کے بیٹے کی معیت میں بھٹکل کے بعض اہم اور تاریخی مقامات دیکھنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ جامعہ کی بس سے ہم پہلے اسلامک ویلفیر سوسائٹی کے دفتر پہنچے، اور وہاں کے ذمہ داران سے ملاقات کی، سوسائٹی کے سکریٹری جناب قادر میراصاحب نے پہلے ہمارا تعارف معلوم کرنا چاہا، ہمارے ساتھ کچھ گجرات ہمت نگر کے احباب بھی تھے، جو مختلف اسکولس وکالج کے ذمہ داران تھے، ہم نے الگ الگ اپنا تعارف کرایا، اس کے بعد سکریٹری سوسائٹی قادر میراصاحب نے سوسائٹی کا تعارف کرایا کہ یہاں بغیر سودی بینکنگ نظام ہے، اور بتلایا کہ ہندوستان میں چار غیر سودی سوسائٹیوں میں یہ سوسائٹی ممتاز ہے، نیز یہ بھی بتلایا کہ امسال اس میں ٦ر کروڑ روپئے کا لین دین ہوا ہے اور یہاں ایک سو روپئے سروس چارج لیا جاتا ہے، اس وقت ۲۲ر آدمی کو سیلری ملتی ہے، اس سوسائٹی کا آغاز یکم اگست ۱۹۸۳ء میں ہوا تھا، اخیر میں چلتے وقت سوسائٹی کے سکریٹری قادر میراصاحب نے ہمیں سوسائٹی کے تعارف سے متعلق "ٹوٹتی زنجیریں" کے عنوان سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہونے والا ایک مجلّہ بھی پیش کیا، جس میں سوسائٹی کا تعارف، علماء کے تأثرات اور اس کی کارکردگی سے متعلق اچھی معلومات ہیں۔

محکمہ شرعیہ جماعت المسلمین بھٹکل: سوسائٹی کے بعد محکمہ شرعیہ پہنچے، وہاں قاضی عبدالعظیم صاحب ندوی قاضیا نائب قاضی سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے محکمہ قضاء سے متعلق معلومات فراہم کی، انہوں نے بتلایا کہ یہاں محکمہ قضاء ۱۸۵۱ء سے شروع ہوا پھر انہوں نے مختلف عہدوں کے ہبہ نامے اور شرعی فیصلے بھی دکھائے، جو وہاں کی نوائطی زبان میں تھے، رسم الخط اردو تھا، ۱۲۱۹ھ، ۱۲۷۳ھ، ۱۲۷۴ھ اور ۱۲۸۴ھ کی تحریریں بھی دکھلائیں، ایک ہبہ نامہ ۱۲۸۳ھ کا دکھلایا اور بتلایا کہ اس وقت یہاں پر قاضی حسن تھے، محکمہ شرعیہ کی نئی عمارت قاضی ابراہیم بن حسن نے بنوائی، دراصل اس وقت کے قاضی، قاضی محمد احمد صاحب خطیبی ہیں جو مولانا عبدالرب صاحب ندوی خطیبی کے والد محترم ہیں، جن کی عمر تقریباً سو سال ہے، قاضی عبدالعظیم ندوی صاحب نے اچھی خاصی معلومات فراہم کی اور جامع مسجد بھٹکل کے متعلق بتلایا کہ یہ بہت قدیم مسجد ہے اور ۱۸۵۱ء میں تعمیر ہوئی، انہوں نے وہ پتھر بھی دکھلایا جس پر فارسی میں ایک شعر اور مسجد کی تاریخ لکھی

ہوئی ہے، یہ پتھر مسجد کی تعمیر جدید کے موقع پر کھدائی میں دستیاب ہوا، جس کو صاف کرا کر اس کی تحریر کو پڑھا گیا، پتھر بالکل صحیح وسالم ہے، اس کے بعد پھر وہاں کی بعض قدیم مساجد دیکھیں اور ظہر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی، پھر مشما مسجد دیکھی اور راستہ میں ایک لکڑی کا بنا ہوا خوبصورت مضبوط مکان بھی دیکھا، یہ مکان محمد میرا کا ہے، ان کے دادا محمد اسماعیل نے یہ بنوایا تھا جس کے شیشوں پر ۱۳۳۲ھ سن لکھا ہوا ہے، اس کے بعد بھٹکل کی دوبئی مارکیٹ دیکھی اور بعض چیزوں کی خرید کے بعد جامعہ پہنچے اور کھانا کھایا۔

مہتمم جامعہ اسلامیہ سے ملاقات: ۲۷ر فروری کی صبح ناشتہ کے بعد جامعہ اسلامیہ کے مہتمم مولانا عبدالباری ندوی صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اور بہت سی باتوں کے متعلق تبادلہ خیال ہوا، انہوں نے بھٹکل اور وہاں کے علماء کی بعض ایسی خصوصیات بیان کیں، جو دوسری جگہ کمیاب ہیں، ایک دوسرے کا لحاظ، آپس میں اتحاد واتفاق، ایک دوسرے کا اکرام، اپنی ذمہ داری کا احساس اور کام کرنے کا جذبہ اسی طرح بعض اور اہم باتیں بتلائیں، دیکھنے سے ان سب باتوں کا یقین بھی ہوا، مولانا کو راقم نے بعض اپنی کتابیں پیش کیں، جس پر مولانا خوش ہوئے اور بعض جامعہ اور ابنائے جامعہ کی کتابیں بھی عنایت کیں اور ایک عطر کی شیشی پیش کی۔

مولانا عبدالرب صاحب خطیبی ندوی سے ملاقات: اس کے بعد مولانا عبدالرب صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی، مولانا نے بہت کرم فرمائی کی، ناشتہ کرایا، اور اپنے والد صاحب کے متعلق بتلایا کہ وہ سو سال کی عمر کے قریب ہیں، قاضی محمد احمد خطیبی ان کا نام ہے اور وہ بھٹکل کے قاضی ہیں، تو ان سے ملنے کی خواہش ہوئی اس پر مولانا نے شام کو گھر لے جانے کا پروگرام بنایا، عصر سے پہلے جب جانے لگے تو مولانا محمد الیاس صاحب ندوی تحفہ میں بھٹکل کا حلوا اور مٹھائی لے کر حاضر ہوئے اس کے بعد مولانا عبدالرب صاحب کے ساتھ ان کے والد قاضی محمد احمد صاحب خطیبی کی قیام گاہ پر پہنچے، ان سے مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی، وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، غالباً ذکر میں مشغول تھے، ان سے دعا وسلام کے بعد مولانا عبدالرب صاحب اپنے گھر لے گئے، جامع مسجد کے پاس ہی ان کا گھر ہے، عصر کی نماز کے بعد ان کے گھر پر گئے تو مولانا نے بعض کھانے کی چیزیں پیش کی، ان کا گھر بڑا قدیم ہے، ان کے دروازے کے کیواڑ میں جو چٹخنی لکڑی کی بنی ہوئی ہے، اس کو دیکھ کر پرانے زمانے کی ٹیکنک پر حیرت ہوئی کہ اسکو نہ کوئی باہر سے کھول سکے اور نہ اندر سے، اگر کوئی انجان اندر گھس جائے اور وہ بند کر دی جائے تو وہ نکل نہیں سکتا، اس کو دیکھ کر مقامات حریری کے اس مقامہ کی یاد آ گئی جس میں شیخ سروجی نے اپنے گھر کے دروازے کی ہر چیز کا تعارف کرایا اور اس کی خصوصیات بیان کی، اس کے بعد مولانا نے مارکیٹ میں سے کچھ چیزیں تحفہ کے طور پر خرید کر دیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، بہت ہی محبت سے پیش آئے۔

مدینۃ الندوۃ بھٹکل کے متعلق عمومی تأثرات: بھٹکل کی آبادی تقریباً ایک لاکھ سے متجاوز ہے، جس میں چالیس پچاس ہزار مسلمان ہیں، یہاں عام حالات دینی معلوم ہوتے ہیں، بلکہ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہاں تین سو یا تین سو کے قریب ندوی فضلاء ہیں اور اتنے فضلا تو ندوہ کے شہر لکھنؤ میں بھی نہیں ہیں، تو میری زبان سے برجستہ نکلا کہ یہ تو مدینۃ الندوہ ہے، اگر تین سو فضلا کسی دوسری جگہ ہوتے تو تیس مدرسے ضرور ہوتے یا کم از کم پانچ چھ یا تین تو ہوتے ہی، مگر یہاں اجتماعیت، اتحاد اور نظام اس قدر مضبوط ہے کہ بس اعلی دینی تعلیم کے لیے ایک جامعہ اسلامیہ اور اس کے تحت مکاتب ہیں، دنیوی اعلی تعلیم کے لیے الگ الگ ادارے ہیں، پورے شہر میں ساٹھ پینسٹھ مسجدیں ہیں، کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، سڑک اور بازار میں جو بھی عورت نظر آئی وہ نقاب پوش مکمل پردے میں تھی، ہمارا واسطہ چونکہ علماء طبقے سے پڑا اس لیے ان کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ وہ بڑے ہی ملنسار، خلیق اور خدمت گزار ہیں، وہاں کے علماء کی یہ

خصوصیت بہت پسند آئی کہ چاہے کوئی چھوٹا ہے یا بڑا، علمی وعملی اعتبار سے جس کا جو بھی مقام ہے اس میں تواضع اور سادگی ہے، تکلف نہیں دوسروں کو حقیر سمجھنے کا ماحول نہیں، یا دوسروں کی دینی خدمت کو سن کر یا دیکھ کر پیشانی میں بل نہیں آتے، مجھے تو حقیقت میں وہ لوگ مخلص معلوم ہوتے ہیں، دراصل وہی لوگ مخلص ہیں جن کے اخلاق وتواضع کو دوسرے محسوس کریں ورنہ تو بقلم خود مخلصین کی دنیا میں کمی نہیں۔

بمبئی میں: ۲۷ رفروری کی شام کو بعد عصر مولانا الیاس صاحب ندوی اور مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا عبدالرب صاحب ندوی اور جامعہ کے اکثر اساتذہ سے الوداعی ملاقات ہوئی، ہمیں چونکہ بمبئی جانا تھا، اور ہم نے اپنے پروگرام میں یہ بھی شامل کیا تھا کہ بھٹکل سے فارغ ہوکر مدرسے کے چندے کے لیے بمبئی اور گجرات کا بھی سفر کیا جائے؛ کیونکہ سال کے بیچ میں راقم سطور چندے کے لیے بمبئی اور گجرات کا کئی سال سے سفر کرتا ہے، اس لیے یہاں سے بمبئی کا سفر طے تھا، مولانا محمد الیاس صاحب نے ہمارے اسٹیشن پہنچنے کا نظم کیا اور ہم لوگ ایک ایکسپریس گاڑی سے ۲۸ رفروری کی صبح بمبئی پہنچے، وہاں پہلے سے مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی امام شافعی مسجد کو فون سے اطلاع کردی تھی، فجر کے بعد پہنچ کر کچھ آرام کیا، پھر ناشتے کے بعد مولانا عبدالسلام سے کچھ تبادلہ خیال ہوا، اور پھر بعض مخیرّین سے ملاقات کے لیے نکلے، سب سے پہلے بمبئی کے ایک تاجر احمد اسحاق صاحب مکلائی سے ملاقات، دعا وسلام کے بعد تعارف ہوا اور کچھ تبادلہ خیال بھی، نقوش اسلام ان کو پہنچتا ہے، میں نے تازہ شمارہ ان کو پیش کیا، تو اس میں صدام سے متعلق ایک مضمون تھا جس کو دیکھ کر انہوں نے صدام کے متعلق میرا نقطہ نظر جاننا چاہا اور انہوں نے بتلایا کہ کئی دن سے میرے ذہن میں ایک خلش ہے، میں نے ان کو جواب دیا کہ صدام کو اپنے کیے کی سزا مل گئی اور وہ جنت میں چلا گیا، وہ بہت خوش ہوئے، اس کے بعد ہم اولمپیا کافی ہاؤس قلابہ پہونچے، وہاں کے ذمہ دار ایک مولانا ہیں، جو کئی سال سے مدرسہ کا تعاون بھی کرتے ہیں اور بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، مگر آج تو انہوں نے سلام کے بعد مزید کسی بات کرنے سے انکار کیا کہ کل صبح آنا یہ تو ہمارے دھندے کا ٹائم ہے، ہم نے لاکھ بتلانا چاہا کہ رات کو ہماری واپسی ہے، کل صبح تک ہم نہیں ٹھہریں گے، مگر انہوں نے ہماری ایک نہ سنی اور ہم ناکام واپس لوٹے، پھر ہمیں حاجی عبدالقیوم سومر سے چکلہ اسٹریٹ میں ملاقات کرنی تھی، تیسرے چکر میں عصر سے قبل ان سے ملاقات ہوئی، تعارف وغیرہ کے بعد کچھ باتیں بھی ہوئیں اور انہوں نے سہارنپور آنے کے متعلق بھی اظہار خیال کیا، مگر کب یہ مقدر ہوگا کچھ پتہ نہیں، اس کے بعد ہمیں اور لوگوں سے بھی ملنا تھا، مگر چونکہ رات ہی کو اکل کوا جانے کا پروگرام تھا اس لیے وہاں کا ٹکٹ خریدا۔

جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا میں: رات کے نو بجے بس میں سوار ہوکر صبح یکم مارچ کو ۱۱ ربجے کے قریب اکل کوا پہنچے اور مہمان خانے میں قیام کیا، مولانا یوسف صاحب نگراں مہمان خانہ نے اچھا خیال کیا، ظہر کے بعد مولانا عبدالقدیر عمری سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی ایڈیٹر سہ ماہی ''النور'' واستاذ جامعہ سے ملاقات ہوئی، ان سے کئی سالوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی، اس لیے ان سے اچھی خاصی گفتگو ہوئی، انہوں نے ہمارے ایک عربی رسالہ ''مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا'' فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات کو اپنے مجلّے ''النور'' میں دو قسطوں میں شائع کیا تھا، ان کے پاس ہی مولانا عباس مدنی سے بھی تفصیلی ملاقات ہوئی، انہوں نے کافی اکرام کیا، اس کے بعد حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب سے ملاقات کی اور تعارف کے بعد ان کو اپنی بعض کتابیں پیش کیں، بہت خندہ پیشانی سے ملے، انہوں نے پوچھا کوئی خدمت، میں نے کہا بس دعاؤں کی ضرورت ہے، ان سے ملاقات سے سفر کا بوجھ ہلکا ہوا، پھر انہیں کے پاس بیٹھے ہوئے ان کے بھائی حافظ اسحاق صاحب سے ملاقات ہوئی، ان سے چونکہ کئی بیرونی اسفار میں ملاقات ہو چکی تھی، اس لیے

انہوں نے پہنچان لیا اور اپنے پاس مسند پر بیٹھایا اور کچھ باتیں کیں، انہوں نے حفظ کلاس کے بچوں کی تعداد دو ہزار کے قریب بتلائی، اور تمام طلبہ ساڑھے سات ہزار بتلائے، اس کا سالانہ خرچ ۸ رکروڑ معلوم ہوا، یہ جامعہ مولانا غلام محمد وستانوی نے ۱۹۸۰ء میں قائم کیا، رات کا قیام جامعہ میں ہی رہا، مولانا عبدالستار صاحب مئوی جوام القری مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر آئے ہیں، اتفاق سے ان سے بھی ملاقات ہوگئی، انہوں نے بہت اکرام کیا اور کھانا وغیرہ بھی کھلایا اور علمی باتیں بھی کیں، سیاسی نقطہ نظر سے بھی بات چیت کی، صدام کے سلسلے میں بھی انہوں نے گفتگو کی، میں نے اپنا نظریہ ان کے سامنے پیش کیا، کہ آخر کار صدام جنت کا مستحق ہوا، جامعہ کے مہمان خانہ میں ایک عربی شعر لکھا ہوا ہے، مجھے بہت پسند آیا:

ان التواضع من خصال المتقی ❁ وبه التقی المعـــالی یرتـــقی

اللہ تعالی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، صبح کو مولانا غلام محمد وستانوی کے بیٹے مولانا حذیفہ صاحب وستانوی نے اسکوٹر سے بس اڈے چھوڑ دیا، راستہ میں ان سے دینی، علمی وفکری بہت سی باتیں ہوئیں اور انہوں نے اپنی علمی سرگرمیوں کے متعلق بھی بتلایا، وہ بھی بہت متواضع تھے، پھر صبح ۲ رمارچ کو ہم انکلیشور کے لیے بس میں سوار ہو گئے۔

انکلیشور میں: جمعہ سے پہلے ہم لوگ انکلیشور ضلع بھروچ پہنچے، جہاں بس اسٹیشن پر ہمارے میزبان حنیف بھائی اپنی گاڑی لے کر موجود تھے، ان کے ساتھ ان کے گھر گئے، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی، پھر کھانا کھایا، پھر ہمیں شام کو پانولی اور ہانسوٹ جانا تھا، اور رات میں انکلیشور ہی میں قیام کرنا تھا، چنانچہ حنیف بھائی نے اپنی گاڑی ہمارے ساتھ بھیج دی۔

جامعہ حمیدیہ پانولی میں: عصر کی نماز جامعہ حمیدیہ میں قاری عبدالحمید صاحب پانولی والوں کے ساتھ ادا کی، مولانا نے ۱۹۹۲ء میں بڑھاپے میں لڑکیوں کا بہترین ادارہ قائم کیا ہے، جس کی عمارت بہت خوبصورت اور بہت مضبوط ہے، جہاں پر کئی سو لڑکیاں مقیم رہ کر عالمیت تک کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، قاری صاحب انتہائی مخلص، مخیرّ ومعاون ہیں، سبھی اداروں کا تعاون کرتے ہیں، بہت ہی سادہ اور بھلے انسان ہیں، مولانا سے ملاقات ودعا سلام کے بعد ہم نے مغرب کی نماز ھانسوٹ پڑھنے کا پروگرام بنایا۔

جامعہ مظہر السعادہ ھانسوٹ میں: مغرب کی نماز ہو چکی تھی، ہم لوگ جامعہ مظہر السعادہ ھانسوٹ میں پہنچے اور مغرب کی نماز ادا کی، جامعہ مظہر السعادۃ کئی سال سے دیکھنے کی تمنا اور خواہش تھی؛ کیونکہ اس کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہ ایک بہترین اخلاقی وتربیتی اور علمی درس گاہ ہے اور وہاں اساتذہ تدریب کے لیے جاتے ہیں، بلکہ ہمارے علاقے کے بعض مدارس کے اساتذہ وہاں گئے بھی، اور اس کے ذمہ دار مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث بھی ہیں اور مفتی بھی اور ایک علمی اور بااخلاق آدمی بھی اور مدارس کا تعاون بھی کرتے ہیں، غرضیکہ کئی وجوہ سے ھانسوٹ کو دیکھنے کی کشش تھی، مگر غالبًا تین سال قبل راقم سطور اپنے ایک رفیق سفر مولانا محمد طاہر قاسمی مہتمم مدرسہ احیاء العلوم صدیقہ پٹلوکر کے ہمراہ بعد نماز مغرب انکلیشور کی جامع مسجد میں تھا، ان کے کہنے پر کہ آج ھانسوٹ چلتے ہیں، مولانا عبداللہ صاحب سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور قیام بھی وہیں کریں گے، صبح کو ہمیں اکل کوا جانا تھا، انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے مولانا کو فون پر اطلاع دیدی جائے، نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مولانا مقیم ہیں یا کہیں سفر پر ہیں، ان کے پاس فون نمبر بھی تھا، اس لیے انہوں نے فون کیا اور اپنا تعارف کرایا اور بتلایا کہ ہم ہانسوٹ آنا چاہتے ہیں، اس پر مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا آنا دو مقصد کے لیے ہو سکتا ہے، اگر آپ تصدیق لینے کے لیے آنا چاہتے ہیں تو تصدیق تو میں دیتا نہیں اور اگر آپ چندہ کے لیے آنا چاہتے ہیں

توجس ایس ٹی ڈی سے آپ فون کررہے ہیں اس کے برابر میں فلاں دکان سے سوروپئے لے لیجئے، مولانا طاہر صاحب ہکا بکا رہ گئے، پھر راقم سطور نے سوچا کہ اپنا تعارف ذراز وردارانداز میں کراؤں، شاید میرے ساتھ کچھ رعایت کی گنجائش نکل آئے، چنانچہ میں نے فون کیا اور اپنا تعارف کرایا اور اپنے تعارف میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے اپنے تعلق وقرب کا سہارا لیا، مگر مولانا نے مجھے بھی اسی انداز سے نوازا، مزید ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کوئی علمی مشورہ دینا چاہتے ہیں یا علمی آدمی ہیں تو میں گاڑی بھیجوں، میری بھی منہ کی منہ میں اور ہاتھ کی ہاتھ میں رہ گئی، چونکہ رات کا وقت تھا، ٹھہرنے کا بھی مسئلہ تھا، اگرچہ ہم لوگ چندے کے لیے نکلے ہوئے تھے، مگر مقصد کچھ مدارس کی زیارت بھی تھی، اس وقت سے ھانسوٹ جانے کا داعیہ ختم ہوگیا، مگر گذشتہ رمضان میں ھانسوٹ کے مدرسہ کے ایک مدرس غالباً مولانا محمد الیاس صاحب سے ایک سفر میں ملاقات ہوگئی اور ناگہانی تعارف کے بعد یہ واقعہ بھی ان کے سامنے ذکر کردیا، تو وہ بے چارے بہت حیرت میں تھے، کہ ایسا تو مفتی صاحب کر ہی نہیں سکتے، وہ تو بہت باخلاق ہیں اور مفتی صاحب کی صفات عالیہ بیان کیں، اور اس واقعہ کی انہوں نے یہ تاویل کی کہ ممکن ہے اس وقت مفتی صاحب کسی الجھن میں یا پریشانی میں رہے ہوں اور موڈ ٹھیک نہ ہو، آپ آئندہ آئیے تو پھر دیکھئے، اس لیے آج انکلیشور میں پھر یہ جذبہ وشوق پیدا ہوا کہ ضرور مفتی صاحب کی زیارت کرنی چاہئے اور جامعہ مظہر السعادہ بھی دیکھنا چاہئے، چنانچہ مغرب کی نماز پڑھ کر ہم نے معلوم کرنا چاہا کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کرنی ہے، تو ایک صاحب نے اشارہ کیا کہ مسجد کے بائیں طرف والے بلڈنگ میں جائیے، ہم وہاں پہنچے تو بعض خدام نے مفتی صاحب کے کمرے کے باہر بٹھا دیا کہ مفتی صاحب میٹنگ میں مہمانوں کے ساتھ مشغول ہیں، آپ تشریف رکھئے، ابھی ملاقات ہوجائے گی، ہم نے سمجھا شاید کوئی اہم میٹنگ ہوگی، اس لیے انتظار میں اور ملاقات کے شوق میں باادب بیٹھ گئے، جب بیٹھے ہوئے ایک گھنٹے کے قریب ہوگیا تو ہم نے انہیں مدرس جن کی تحریض پر دوبارہ یہاں کا شوق ہوا تھا، بتلایا کہ بھائی ہمیں ابھی انکلیشور واپس جانا ہے، صرف ملاقات کرادیں، انہوں نے اندر جاکر پھر ہمارا پیغام دیا تو خیر اندر آنے کی اجازت مل گئی، اندر گئے تو مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی، اندر کوئی خاص میٹنگ تو نہیں تھی بس دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ قاری آفتاب صاحب اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے قاری مہتاب صاحب اور راجستھان کے مفتی صاحب کے ایک معتقد جوان کو پتھر وغیرہ دیتے ہیں اور ان کے بیٹے تھے، جو آج مدرسہ کی مسجد کے ممبر ومحراب کے افتتاح کی تقریب اور مسابقہ قراءت کے پروگرام میں شرکت کے لیے آئے تھے، خیر مفتی صاحب کو اپنا تعارف کرایا، انہوں نے پوچھا کہ کچھ پڑھاتے بھی ہو، میں نے بتلایا کہ لڑکوں کے مدرسہ میں ابتدائی عربی کی کتابیں القراءۃ الراشدہ اور قصص النبیین وغیرہ پڑھاتا ہوں اور لڑکیوں کے مدرسہ میں بخاری ومسلم، الفوز الکبیر، اور تیسیر مصطلح الحدیث پڑھاتا ہوں، پھر انہوں نے پوچھا کہ کچھ علمی ذوق بھی ہے؟ میں نے اپنی بعض کتابیں پیش کی، پہلے " الامامة فی الصلاة مسائلها واحکامها" عربی میں پیش کی، تو اس پر ارشاد فرمایا کہ یہ کیوں لکھی؟ میں نے بتلایا کہ امامت میں چونکہ بعض عربوں میں بھی بے احتیاطی برتی جارہی ہے، اور یہاں ہندوستان میں بھی، اس پر انہوں نے کہا کہ عرب تو دوسرے مسالک کے لوگ ہیں، میں نے کہا کہ اصل تو اس میں احناف کا مسلک ہے، مگر دوسرے ائمہ کے مسالک کی طرف بھی اشارہ ہے، اس پر ارشاد فرمایا کہ عوام کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ پھر فرمایا کہ ''نقوش اسلام'' آپ ہی کا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، تو اس پر بھی غیر حوصلہ افزاء کلمات ارشاد فرمائے، پھر میں نے ''دوآب دار موتی'' حضرت مولانا برہان الدین صاحب کی تقریر پیش کی، جو انہوں نے ہمارے یہاں بخاری شریف کے ختم کے موقع پر آخری حدیث کی تشریح کرتے وقت فرمائی تھی، اس پر فرمایا

کہ یہ تو پہلے کہیں چھپ چکی ہے، میں نے کہا جی مآثر میں چھپ چکی ہے، اس کے بعد تذکرہ حضرت تھانوی پیش کیا، اس پر خاموش رہے، ہمارے رفیق سفر قاری محمد مشفق ارریاوی قاسمی کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ بھی آپ کے ساتھ ہیں، میں نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا کہ بہار کے یا بنگال کے، بتلایا کہ بہار کے، اس پر فرمایا کہ مستعد آدمی کو رکھئے، اس کے بعد اپنے معتقد کے لڑکے سے مخاطب رہے یہاں تک کہ عشاء کی اذان ہوگئی اور نماز کا وقت ہوگیا، پھر انہوں نے ہماری طرف التفات نہ کیا، نماز کا وقت تیار تھا، وہ وضو کے لیے اٹھے، تو ہم لوگوں نے الوداعی مصافحہ کرنا چاہا، یہ بتلاتے ہوئے کہ ہم چونکہ ادھر چندہ کے لیے آئے ہوئے تھے اس لیے سوچا کہ آپ سے بھی ملاقات کرتے چلیں، تو جلدی سے ۱۰۰/روپئے دیکر چلتے بنے، ہماری حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس جامعہ کی مسجد کا بجٹ کروڑوں روپئے ہے اور جس ممبر ومحراب کی افتتاحی تقریب آج ہوئی ہے، وہ ممبر ہی لاکھوں سے زیادہ کا ہے، اس کے برابر میں جہاں بہت سے کتبے، جملے اور حدیث کے ٹکڑے لکھئے ہوئے لگے ہیں، وہاں اردو میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سادگی ایمان کی علامت ہے، خیر ہم لوگ رات ہی میں اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔

دارالعلوم کنتھار میں : صبح ۳/مارچ کو حنیف بھائی نے دارالعلوم کنتھاریہ پہونچا دیا، ہمیں وہاں مفتی اسماعیل صاحب سارودی سے ملاقات کرنی تھی، وہ بھی مخلص اور متواضع آدمی ہیں، کئی سال سے ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں، اللہ تعالی ان کا سایہ تادیر قائم رکھے، اس ادارے میں کئی سو طلبہ پڑھتے ہیں، یہ غالباً ۱۹۶۶ء میں قائم ہوا تھا، اس کے بانی مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبری سفر پر تھے، ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

جامعة القراء ات کفلیته میں : دارالعلوم کنتھاریہ سے فارغ ہوکر بذریعہ ٹرین سورت پہنچے، سورت کے بڑے مشہور مخیّر حاجی ابراہیم حسن دادا سے مختصر ملاقات کے بعد جامعۃ القراءات کفلیتہ پہونچے، وہاں قاری اسماعیل بسم اللہ صاحب مہتمم جامعہ سے ملاقات ہوئی، ۳،۴/مارچ کو ہولی کی وجہ سے وہیں قیام کیا، جب بھی سورت جانا ہوتا ہے تو ایک آدھ دن کے لیے جامعہ کفلیتہ میں ضرور ٹھہرنا ہوتا ہے، وہاں اپنائیت محسوس ہوتی ہے اور قاری اسماعیل بھی اچھا معاملہ کرتے ہیں جس سے اجنبیت نہیں ہوتی، قاری اسماعیل صاحب ہمارے مرکز میں کئی سال قبل آ بھی چکے ہیں اور مدرسہ کے خیر خواہ بھی ہیں، انہوں نے جامعۃ القراءۃ ۱۴۱۶ھ میں قائم کیا جس میں ساڑھے پانچ سو طلبہ زیر تعلیم ہیں، قرآن کریم کی بہترین تعلیم ہوتی ہے، امسال مشکوۃ شریف تک تعلیم ہورہی ہے، قاری صاحب نے گجرات کے مدارس اور وہاں کی بعض خصوصیات بیان کیں، کہ یہاں کوئی مہمان آتا ہے، تو دوسرے مدرسہ میں لے جانے کا پروگرام بنایا جاتا ہے اور آپس میں علماء مدارس میں جوڑ ہے، اگر کسی مخیّر نے کہیں کوئی رقم دی تو دوسرے مدرسہ کا آدمی یہ نہیں کہہ سکتا، وہاں کیوں دی، یا اتنی کیوں دی، اس طرح کی بہت سی باتیں بتلائیں، وہیں قاری سلیمان دیدات کے ساتھ غلام احمد باکاوالا کونٹیری انگلینڈ والوں سے ملاقات وتعارف ہوا، پھر ۵/مارچ کو دوپہر بعد سورت کے لیے روانہ ہوئے، کچھ دیر کے لیے لاجپور گئے، وہاں ظہر کی نماز میں مولانا عبدالحق دیوان صاحب سے ملاقات ہوئی، پھر قاری اسماعیل بسم اللہ کے خسر مولانا محمد ابراہیم میاں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بہت اکرام کیا، بڑی عزت کی، وہیں جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے محمود بھائی سے بھی ملاقات وتعارف ہوا۔

سورت میں فضل بھائی کے دولت خانہ پر : عصر سے قبل فضل الحق ملانجی ڈائنگ والوں کے گھر پرانی تالاؤ میں حاضری ہوئی، سورت آ کر فضل بھائی سے ملاقات کے بغیر جانا اچھا نہیں لگتا، چونکہ زمانہ طالب علمی میں راقم سطور نے فضل بھائی اور ان کے بھائی

نورالحق کو رمضان میں کئی مرتبہ قرآن شریف سنایا ہے، گھر پر بھی اوران کی فیکٹری میں بھی، اس لیے ان سے اچھی طبیعت لگتی ہے اور وہ بھی بھر پور خیال کرتے ہیں، انہوں نے ملاقات وخیریت عافیت کے بعد ہماری سورت آمد کی نور بھائی اوراپنے چچا انور چچا کو اطلاع دی، چنانچہ عصر بعد نور بھائی سے ملاقات کے لیے ان کے گھر پر گئے، نور بھائی کے گھر پر مدینہ منورہ سے آئے ہوئے مولانا اسماعیل مدنی سے بھی ملاقات وتعارف ہوا، اور ساتھ ہی غلام حسین بدات صاحب جولندن سے آئے ہوئے تھے، ان سے بھی ملاقات ہوئی، پھر فضل بھائی کے یہاں آکر کھانا کھایا، انور چچا بھی ملاقات کے لیے آ گئے تھے، وہ بہت دلچسپ آدمی ہیں، فضل بھائی نے اون کے حافظ ریاض الدین کو بھی فون کر کے اطلاع کر دی تھی، وہ بھی ملاقات کے لیے آ گئے تھے، جس زمانے میں ہم لوگ قرآن شریف سناتے تھے، وہ فضل بھائی کی فیکٹری میں امام تھے، اس لیے ان سے تعلق تھا، چنانچہ وہ بھی ساتھ رہے، فضل بھائی نے بہت سی دینی باتیں سنائیں، اپنے دادا کے حالات بتلائے، جن کے دینی حالات بہت اونچے تھے، ان کے گھر پر ہی ممبئی کے ایک بڑے تاجر حاجی شکیل احمد بھی تشریف لائے، جو کسی بزرگ کے خلیفہ بھی ہیں، ان سے بھی ملاقات ہوئی اور چونکہ آج ہی ہماری واپسی کا گولڈن ٹیمپل سے ٹکٹ بنا ہوا تھا، اس لیے بارہ بجے کے قریب فضل بھائی نے اپنے بچوں عزیزم محمد انعام وانجم کو گاڑی سے اسٹیشن تک چھوڑنے کے لیے بھیجا، حافظ ریاض الدین بھی اسٹیشن پر آخری وقت تک ساتھ رہے، سوا ایک بجے ٹرین آئی اور ہم نے ان کو الوداع کہا اور بخیر وعافیت سہارنپور پہنچے۔

سفر کے درمیان مطالعہ : سفر میں تھکان اور بے آرامی کی وجہ سے مطالعہ کرنا ایک اہم کام ہوتا ہے، مگر اللہ کی توفیق سے چند کتابوں کے مطالعہ کا موقع نصیب ہوا، جاتے وقت ہمارے ایک دوست مولانا محبوب الرحمٰن ندوی کیرانوی نے دہلی جاتے ہوئے مولانا اسیر ادروی کی ''تذکرہ مشاہیر ہند کاروان رفتہ'' دیدی، اس کے مطالعہ کی توفیق ملی، پھر بھٹکل جا کر ہمارے ایک سینئر ساتھی مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی کا سفرنامہ شام کا مطالعہ کیا، یہ سفرنامہ بڑا دلچسپ اور پر از معلومات ہے، اس سفرنامے کے لکھنے میں مہمیز کا کام گویا اس سفرنامہ شام نے ہی کیا، اگرچہ راقم سطور کو سفرنامے لکھنے کا طالب علمی کے زمانے ہی سے شوق ہے اور شاید ہی میرا کوئی ایسا سفر ہو جس پر میں نے کوئی نوٹ نہ لکھا ہو، پھر مولانا محمد الیاس صاحب ندوی کی ایک کتاب ''دعاؤں کے معجزانہ اثرات واقعات کی روشنی میں'' خرید کر پڑھی، یہ کتاب بہت ہی مؤثر ہے، کئی مقامات پر میں اپنے پر قابو نہ پا سکا، اور دل تھم نہ سکا، اور بے ساختہ آنسو نکل گئے، اس کتاب نے یہ داعیہ پیدا کیا کہ زندگی میں دعاؤں کا اہتمام ہونا چاہئے، مولانا موصوف ہی کا ایک مختصر رسالہ ''مشنری تعلیم'' کا بھی مطالعہ کیا جس سے مسلمانوں کے بارے میں عیسائیوں کے پروپیگنڈوں کا اندازہ ہوا۔

غرضیکہ سفر سفر ہے، اس سے بہت سے تجربات بھی ہوئے، اور بعض حقائق بھی سامنے آئے، مختلف الخیال وافکار ونظریات کے لوگوں سے ملاقات بھی ہوئی، کہیں امیدیں وابستہ ہوئیں، کہیں مایوسیاں ہوئی، کہیں اچھا لگا، کہیں دل کو تھامنا پڑا، بہر حال اللہ تعالی اپنا محتاج رکھے کسی کا محتاج نہ بنائے۔ آمین

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو

❁❁❁❁❁❁❁❁

سیرت رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی

مولانا محمد زکریا سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی وروحی وقلبی کی زندگی کا ہر گوشہ انسانیت کے لیے نمونہ واسوہ ہے، آپ ہر لمحہ ہر وقت نبی تھے، اس لیے اللہ کی مشیت نے اس کا انتظام کیا کہ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ محفوظ اور آئینہ کی طرح شفاف ہو۔

دنیا کا ہر انسان اپنی خانگی زندگی کو راز رکھنا چاہتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی طرف سے اس بات کی عام اجازت بلکہ ترغیب تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرون خانہ کے حالات وکوائف کو بھی عام کیا جائے اور اس سے سبق حاصل کیا جائے، اور یہی سبب ہے کہ آپ کی ذات کی ایسی دقیق ترین تفصیلات ریکارڈ میں ہیں جن کا کسی اور کے بارے میں محفوظ ہونا ممکن نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی بالکل اس طرح دلکش ودیدہ زیب اور اعلی ترین انسانی کردار کا نمونہ تھی، جس طرح آپ کی باہر کی زندگی تھی، آپ گھر میں بھی اسی طرح رحمت وشفقت کا پیکر تھے، جس طرح اپنے صحابہ کے ساتھ تھے، گھر میں بھی آپ ویسے ہی معلم اخلاق ومربی تھے جیسے اپنے حلقۂ وعظ میں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت وتدبر کا جو حال گھر کے اندر نظر آتا ہے وہ اس سے کسی طرح کم نہیں جو گھر کے باہر نظر آتا ہے، آپ اپنے متبعین کو جس طرز عمل اور جن اخلاق واوصاف کی تلقین برسر عام کرتے تھے خود گھر کی خلوتوں میں بھی اس پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے اور اس لیے آپ کی گھریلو اور خانگی زندگی بھی ویسی ہی سبق آموز ہے، جس طرح آپ کی اجتماعی زندگی اور آپ کی زندگی کا یہ عملی نمونہ بھی اسی طرح دلنواز ہے، جس طرح آپ کی ہدایات واحکامات۔

ایک سادہ انسانی زندگی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی بالکل سادہ اور سارے تکلفات سے بالکل پاک تھی، اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو جو عظیم ترین مقام ومرتبہ ملا تھا اور خلق خدا کے دلوں میں بھی آپ کی جو عظمت ومحبت تھی اس کے باوجود آپ گھر میں بالکل سادگی وتواضع کے ساتھ رہتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر کے معمولات کے سلسلے میں کسی سوال کرنے والے کے جواب میں فرماتی ہیں: "كان بشراً من البشر يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم نفسه" (شمائل ترمذی) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عام انسان کی طرح گھر میں رہتے اور وہ گھریلو وخانگی کام جو عام انسان کرتے ہیں آپ بھی اپنے گھر میں کرلیا کرتے تھے، حتی کہ اگر کپڑوں میں جوئیں ہوجاتیں تو ان کو بھی نکال لیتے تھے، اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیا کرتے تھے اور اپنے ذاتی کام خود کرتے تھے۔

حضرت عائشہ ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، جوتا درست کرلیتے اور اپنے اہل خانہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، نماز کا وقت آتا تو باہر چلے جاتے، گھر میں داخل ہوتے تو خود سلام کرکے داخل ہوتے، اہل خانہ کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے اور نرمی کا معاملہ کرتے۔ (مسند احمد وبخاری)

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت:

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید فرماتے، ان کی خلقی

وطبعی کمزوریوں سے صرف نظر کرنے کا حکم دیتے ، متعدد روایات میں اس کا ذکر ہے کہ عورتوں کے مزاج میں خلقی طور پر کچھ کجی ہوتی ہے ، اس کو بالکل سیدھا کرنا ممکن نہیں ، ان کے ساتھ گزارے کی صورت یہی ہے کہ ان کی اس طبعی کمزوری سے درگزر اور بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسن سلوک کو ایمان کے کمال کا سبب بتلایا ہے ۔ (ترمذی ، کتاب الایمان)

خود آپ کا یہ طرزعمل ان ہدایات پر پورا پورا تھا اور ایسا تھا کہ اس سے بہتر کی مثال ممکن نہیں ، جہاں آپ نے صحابہ کرام سے یہ فرمایا کہ "خیرکم خیرکم لأھله " تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہو ، وہیں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "وانا خیرکم لاھلی " اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے حق میں بہتر ہوں ۔ (ترمذی)

ازواج مطہرات اگر چہ ساری دنیا کی عورتوں میں بہترین اور اللہ کی طرف سے اپنے رسول کی رفاقت کے لیے منتخب عورتیں تھیں ؛ لیکن تھیں تو عورتیں ہی ، اس لیے (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) ان میں بھی عورتوں کی فطری کمزوریاں کسی نہ کسی درجہ میں موجود تھیں ، اوران کا اظہار بھی کبھی کبھی ہوجاتا تھا ، لیکن آپ کی جانب سے ہمیشہ عفوودرگذر اور حسن سلوک کا معاملہ ہی ہوتا تھا ، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ سے دن دن بھر ناراض رہتیں اور آپ حلم وعفو کا معاملہ فرماتے ۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں ، اتفاقاً ان کے والد حضرت ابوبکر آ گئے اور حضرت عائشہ کی سرزنش کرنی چاہی کہ تو اللہ کے رسول سے چلا کر بولتی ہے ، مگر آپ نے ہی ان کو بچالیا ۔ (ابوداؤد)

ایک بار آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تب بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے اور جب راضی ہوتی ہو تب بھی مجھے علم ہوجاتا ہے ، انہوں نے عرض کیا کہ وہ کیسے ؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو محمد کے رب کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو ابراہیم کے رب کی قسم ، حضرت عائشہ نے عرض کیا لیکن اے اللہ کے رسول میں صرف نام لینے کی حد تک ناراض ہوتی ہوں ، دل میں ناراض نہیں ہوتی ۔ (صحیح مسلم)

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک بلکہ لطف وکرم کے ایسے ایسے واقعات حدیث کی کتابوں میں ذکر کئے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے اگر ثبوت نہ ہو تو لوگ شاید اپنی شان بزرگی کے خلاف سمجھیں ، مثلاً حدیث کی کتابوں میں آپ کا اور حضرت عائشہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ مذکور ہے کہ ایک سفر میں آپ کے اور حضرت عائشہ کے درمیان پیدل دوڑ کا مقابلہ ہوا ، حضرت عائشہ جیت گئیں ، پھر کبھی سفر میں دوبارہ ایسا ہی مقابلہ ہوا اور اب کی بار ام المومنین ہار گئیں ، آپ نے فرمایا عائشہ حساب کتاب برابر ، حضرت عائشہ چونکہ کم عمری ہی میں آپ کے نکاح میں آ گئی تھیں ، اس لئے کم سنی کے شوق اور تقاضے ابھی باقی تھے آپ ان کی دلجوئی کے لیے ان کے شوق اور جائز خواہشات کی تکمیل کا بھی لحاظ کرتے تھے ، ان کی سہیلیاں آپ کے یہاں آکر ان کے ساتھ کھیلتی تھیں تو یہی نہیں کہ آپ کی طرف سے اس کی اجازت ہوتی تھی ، بلکہ اگر سہیلیوں کو آپ کی وجہ سے کھیلنے میں تکلف ہوتا تو آپ خود باہر تشریف لے جاتے اوران لڑکیوں کو حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیتے ، ان کے شوق کی تکمیل کے سلسلے کا ایک واقعہ حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن آپ کے گھر کے سامنے کچھ حبشی لوگ نیزہ بازی کا مظاہرہ کررہے تھے ، حضرت عائشہ کو اس کے دیکھنے کا تقاضہ ہوا ، آپ نے ان کو یہ کھیل دکھانے کا اہتمام اس طرح فرمایا کہ خود دروازے پر کھڑے ہوگئے اور اپنے پیچھے (غالباً پردہ کے خیال سے) حضرت عائشہ کو کھڑا کرلیا اور وہ آپ کی آڑ میں کھڑے ہوکر آپ کے کندھے اور کان کے درمیان سے کافی دیر تک یہ دیکھتی رہیں اور آپ ان کے خیال سے مسلسل کھڑے رہے ۔ (بخاری کتاب الصلوۃ)

جیسا کہ اوپر گزرا کہ حضرت عائشہ شادی کے وقت کم سن تھیں اور گھر میں بچیوں کے ساتھ کھیلا کرتیں وہ اور بچیاں گھر میں گاتی بھی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آ جاتے تو کچھ نہ کہتے لڑکیاں بھاگ جاتیں تو آپ ان کو بلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیتے۔ (صحیح مسلم)

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ اعلیٰ مثالیں ہیں، ان کا اتباع بھی اتباع سنت ہی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے خاص سبق ہے، جن کے نزدیک یہ طرز عمل بزرگی اور بلند مقامی کے منافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمام فکروں، گرانباریوں اور نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے باوجود وہ لطیف احساسات وجذبات جلوہ ریز تھے، جو ایک معتدل انسانی فطرت کا تقاضہ ہیں، آپ اپنے اعزہ اہل خانہ سے محبت وتعلق خاطر میں بھی ایک قابل تقلید نمونہ تھے۔

حضرت خدیجہ سے آپ کو بے انتہا محبت تھی، گھر میں کوئی جانور ذبح کرتے تو اس حصہ کا کچھ حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس بھیجتے، آپ ان کے انتقال کے بعد بکثرت ان کو یاد کرتے، یہاں تک کہ دوسری ازواج مطہرات کو ان پر رشک آتا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے اس طرح کا کچھ اظہار کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت خدیجہ کے رشتہ دار ملنے آتے تو آپ بڑی مسرت کا اظہار فرماتے، دیگر ازواج مطہرات سے بھی آپ بہت محبت فرماتے، حضرت عائشہ کی غیر معمولی ذہانت وعلمی مزاج اور دینی بصیرت کی وجہ سے ان سے خاص تعلق تھا۔

بچوں سے محبت اور شفقت:

گھر کے بچے اب تو لائق التفات سمجھے جاتے ہیں، پہلے (خصوصا زمانہ جاہلیت میں) تو بالکل ہی ان کو قابل توجہ اور لائق التفات نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو بھی اپنی خاص الخاص رحمتوں سے نوازا اور اس سلسلہ میں اپنے قول وعمل سے ایسا اسوہ اور نمونہ پیش فرمایا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

آپ نے بچوں کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی خاص الخاص نعمت ہیں ان کی تعلیم وتربیت اور ان کو حسن اخلاق کے ساتھ متصف کرنا ماں باپ کی ذمہ داری ہے، بچوں کا یہ بھی حق ہے کہ والدین اور گھر کے دوسرے بڑے ان کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ کریں۔

بچوں میں اگر لڑکیاں ہیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور برتاؤ میں کسی قسم کی تفریق نہ برتیں، خود آپ کا عمل بھی اپنے گھر کے بچوں کے ساتھ اور بچیوں کے بارے میں ایسا ہی تھا، آپ کو اپنی بیٹیوں سے غیر معمولی محبت تھی اور ان کے ساتھ صرف شفقت ہی نہیں اکرام کا معاملہ بھی فرماتے تھے، آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے، کہ جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ پیش قدمی فرما کر انکا استقبال کرتے اور ان کو اپنی جگہ بیٹھاتے، ان کے فضائل کی روایات میں ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بلند کلمات نقل کئے گئے ہیں (مسلم کتاب الفضائل باب فضل فاطمۃ) دوسری صاحبزادیوں کے ساتھ بھی آپ کا معاملہ اسی طرح کا تھا اور ان کے متعلق بھی آپ کے اکرام وشفقت کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔

گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت پیار ومحبت اور شفقت کا تھا (اور یہی معیار کمال ہے) آپ کے دونوں نواسے حضرت حسن وحضرت حسین آپ ہی کی گود میں پلے ہیں، نبوت کی ساری ذمہ داریوں کے باوجود آپ ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ فرماتے تھے، ان کو گود میں لیتے اپنے کندھوں پر سوار کرتے ان کو پیار کرتے، ان کو سونگھتے اور مستقبل میں ان کو حاصل ہونے والے کمالات کا ذکر بھی کرتے، نیز ان کو دعائیں دیتے اپنے ساتھ سواری پر سوار کرتے، کبھی فرماتے تم دونوں میرے گلدستے ہو۔ (ترمذی باب فی رحمۃ الولد، بخاری وترمذی)

ایک صحابی حضرت اقرع بن حابس نے ایک مرتبہ آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے نواسے حسن کو بوسہ لے رہے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی بھی ان کا بوسہ نہیں لیا آپ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر منجاب اللہ رحم نہیں کیا جاتا (صحیح بخاری) یعنی بچوں کو پیار کرنا بھی رحمت خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے، حضرات حسنین کے علاوہ آپ کا معاملہ درجہ بدرجہ خاندان کے دیگر بچوں کے ساتھ بھی محبت وشفقت کا ہی رہا ہے۔

ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرات حسنین گھر سے نکل آئے، نیا نیا چلنا شروع کیا تھا، قدم لڑکھڑا رہے تھے، فرط محبت میں آپ سے رکا نہ جاسکا آپ درمیان خطبہ اترے اور بڑھ کر ان کو گود میں اٹھالیا، پھر فرمایا اللہ نے سچ کہا ہے اولاد انسان کی کمزوری ہے، میں نے دیکھا یہ دونوں اپنے کپڑوں میں الجھ کر لڑکھڑا رہے ہیں، مجھ سے صبر نہ ہوا اور میں نے درمیان خطبہ ہی اتر کر ان کو گود لے لیا۔ (نسائی شریف)

کبھی ایسا بھی ہوا کہ درمیان نماز کوئی نواسہ یا نواسی آکر کندھے یا کمر پر سوار ہوگیا آپ نے نماز جاری رکھی جب رکوع یا سجدہ کیا تو اتار دیا اور پھر اٹھالیا۔ (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد)

اولاد سے آپ کو بڑی محبت تھی، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اولاد کے ساتھ رحمدل وشفیق شخص نہیں دیکھا، اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ بیتاب ہوجاتے، ایک مرتبہ برسر عام کہا فاطمہ میری ہے میں فاطمہ کا ہوں، فاطمہ کی تکلیف میری تکلیف ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل، مسلم وترمذی)

غزوہ بدر میں آپ کے داماد حضرت زینب کے شوہر ابوالعاص بھی قیدی بنے، ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی، انہوں نے حضرت زینب کو کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں، حضرت زینب کے پاس حضرت خدیجہ کا دیا ہوا ایک قیمتی ہار تھا جو ان کو شادی میں ملا تھا، جب نقد رقم یوں پوری نہ ہوئی، تو انہوں نے اپنے گلے کا ہار بھی اتار کر بھیج دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب وہ آیا تو نہ جانے کیا کیا یادیں نظر کے سامنے گھوم گئیں، آپ بے تاب ہوکر رو پڑے، شدید رقت طاری ہوگئی، صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو، صحابہ نے رضامندی ظاہر کی اور وہ ہار واپس کردیا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد)

آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو آپ نے رضاعت کے لیے مدینہ سے کچھ دور عوالی کے ایک گھرانہ میں بھیج دیا تھا، آپ صحابہ کے ساتھ وہاں جاتے اور بچہ کو دیکھ کر آتے، اللہ کی تقدیر کہ ان کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا، جب کہ آپ کبرسنی کو پہنچ چکے تھے، اور ابراہیم اکیلی نرینہ اولاد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کے وقت پہنچ گئے، بچے نے اس حال میں دم توڑا کہ آپ کی گود میں تھا اور آپ کی آنکھیں شدت غم سے جاری تھیں، مگر اس وقت بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر کے ساتھ ساتھ نبی بھی تھے، اس حال میں آپ کو اللہ کی رضا کا خیال تھا، پورے صبر کے ساتھ زبان سے یہ ایمان افروز کلمات نکلے۔

"ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضیبه ربنا وانا بفراقك یاابراهیم لمحزونون" (بخاری شریف)

آنکھ آنسو بہارہی ہے، دل غمگین ہے، مگر سوائے اس بات کے جو اللہ کو پسند ہو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، بخدا ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم بہت غمگین ہیں۔

خادموں کے ساتھ برتاؤ:

گھر کے لوگوں میں سب سے کمزور پوزیشن کے لوگ بیچارے ملازم یا خادم پیشہ لوگ ہوتے ہیں اور اگر یہ لوگ غلام یا باندی ہوں تب تو ان کی بیچارگی اور کسمپرسی کی کوئی حد وانتہا ہی نہیں رہتی، زمانہ جاہلیت میں ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ذلیل مقام سے اٹھا کر آزادوں کے تقریباً مساوی مقام دیدیا، غلاموں کے مالکوں کو مخاطب کر کے فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہاری ملکیت میں دیدیا ہے، مالکوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت درجہ کا حسن سلوک کریں، جو خود کھائیں وہی انہیں بھی کھلائیں، جو خود پہنیں

وہی ان کو بھی پہنائیں، ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ان پر نہ ڈالیں اور اگر کسی وجہ سے کوئی مشکل کام ان کے سپرد کریں تو خود بھی اس کام میں شریک ہو جائیں اور ان کی مدد کریں۔ (بخاری)

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آپ کی تاکید اور خود آپ کے طرز عمل نے صحابہ کرام کے یہاں محمود و ایاز کا فرق باقی نہ رہنے دیا تھا، حضرت زید بن حارثہ جنھیں آپ نے اپنا متبنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کر دی تھی، آپ کے آزاد کردہ غلام ہی تھے، آپ ان سے اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ سے ایسی شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے کہ دیگر صحابہ ان دونوں کو "محبوب رسول" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک خاص مسئلہ میں صحابہ نے آپ سے سفارش کرنی چاہی، مگر رعب کی وجہ سے نہیں کر پا رہے تھے، باہمی مشورہ سے کہا گیا کہ یہ سفارش بس اسامہ ہی کر سکتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بھی ہیں اور محبوب زادے بھی۔ (بخاری و مسلم)

آپ کا عام معمول تھا کہ جو غلام بھی آپ کے پاس آتا اس کو آپ آزاد کر دیتے، وہ آزاد تو ہو جاتا لیکن آپ کے احسان و کرم کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا، حضرت زید کو آپ نے آزاد کر دیا تھا، ان کے باپ ان کو لینے آئے، لیکن اللہ کے رسول کی محبت و تعلق نے ان کو جانے نہیں دیا۔

آپ نے اپنی عمر بھر کسی عورت پر یا خادم پر ہاتھ نہیں اٹھایا، حضرت انس آپ کے خادم خاص تھے، کہتے ہیں کہ میں نے دس سال لگاتار آپ کی خدمت کی، آپ نے ایک مرتبہ بھی مجھ سے اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ یا ایسا کیوں نہیں کیا۔ (بخاری باب حسن خلق)

معمولات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وقت اپنے گھر میں گزارتے تھے اس کے آپ نے تین حصے کر لیے تھے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تھا، دوسرا اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اور تیسرا حصہ اپنے آرام و راحت کے لیے، پھر اس تیسرے حصہ میں بھی جو اپنے آرام و راحت کے لیے تھا، آپ اپنے امتیوں کو بھی شریک فرما لیا کرتے تھے، اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ اس وقت خواص صحابہ کرام کو حاضری کی اجازت ہوتی تھی اور ان کے ذریعہ دینی علوم و معارف عوام تک پہونچاتے تھے، اس طرح اگرچہ یہ وقت عمومی ملاقات کا تو نہ ہوتا تھا لیکن اس کے فیض سے عامۃ الناس بھی محروم نہ رہتے تھے، خواص صحابہ کرام اس وقت میں اپنے اور دوسروں کے مسائل لے کر حاضر ہوتے اور آپ ان مسائل کو حل فرماتے تھے کہ جو شخص کسی بھی وجہ سے اپنی ضرورت مجھ سے نہ کہہ سکتا ہو آپ حضرات اس کی حاجت و ضرورت مجھ تک پہنچا دیا کریں اور یہ بھی فرماتے تھے، کہ اس کار خیر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ثابت قدم رکھے گا۔ (شمائل ترمذی)

آپ عصر کے بعد امہات المومنین کے یہاں تشریف لے جاتے اور سب سے خیریت دریافت کرتے، رات کے معمولات حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے آئے ہیں، عشاء کے بعد ازواج مطہرات میں جس کی باری ہوتی ساری ازواج مطہرات وہاں جمع ہو جاتیں اور کچھ دیر مجلس رہتی، عشاء کے بعد دیر تک جاگنا آپ کو ناپسند تھا، لیکن اگر کبھی کوئی معاملہ مشورہ طلب ہوتا تو آپ اکابر صحابہ سے اس وقت مشورہ کرتے۔ (ابوداؤد و ترمذی کتاب الصلوۃ)

تقریباً آدھی رات عبادت فرماتے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول کو کوئی اگر رات میں سوتے دیکھنا چاہتا ہو تو دیکھ لیتا، نماز پڑھتے دیکھنا چاہتا تو دیکھ لیتا۔

خانہ نبوی کا زاھدانہ ماحول:

ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل و عیال سے ایسی کامل محبت تھی اور آپ ان کا ویسا خیال رکھتے تھے، جس کا اوپر تذکرہ گزرا، اس کا تقاضہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ خود تنگی و پریشانی کے ساتھ گزر کر لیتے، مگر اپنے گھر والوں کے لیے تو کم از کم رفاہیت کے اور آرام

کے انتظام کر ہی دیتے ، انسان کے لیے خود پریشانیاں برداشت کرنا آسان ہوتا ہے ، مگر اپنے اہل خانہ اور بچوں کے چہروں پر وہ فقر کے سائے نہیں دیکھ سکتا، لیکن آپ کا طرز عمل اس سلسلہ میں بالکل ممتاز اور آپ کی شان نبوت کے مطابق ہے، آپ کے گھر کا ماحول اور عمومی نقشہ ویسا ہی تھا جو "اللھم لاعیش الا عیش الآخرۃ" اور "الدنیا ملعونۃ معلون مافیھا الاذکراللّٰہ وماوالاہ" کہنے والے کا ہونا چاہئے، آپ نے کبھی اس کی فکر نہیں کی کہ آپ کے گھر والوں کو دنیا کی زندگی میں رفاہیت حاصل ہو، آپ یہ دعا فرماتے کہ: "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا" اے اللہ محمد کے گھر والوں کا رزق بقدر ضرورت ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ جو آپ کو انتہائی محبوب تھیں فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں کئی کئی مہینہ چولھا جلنے کی نوبت نہیں آتی تھی ، پوچھا گیا ام المؤمنین پھر کیسے بسر ہوتی تھی، کہا بس کھجور اور پانی سے (بخاری)

ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ کبھی ہم کو دو وقت لگا تار باقاعدہ کھانا نہیں ملا، ایک وقت ضرور صرف کھجور پر بسر کرتے۔ (بخاری)

ازواج مطہرات کے پاس صرف ایک ہی جوڑا کپڑا رہتا، گھر میں آٹا چھانے بغیر پکتا کبھی چپاتی پکنے کی نوبت نہیں آتی ، راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ (بخاری کتاب الصلوۃ)

آپ کے بستر کی یہ حالت ہوتی کہ کبھی ایسی سخت چٹائی پر لیٹتے کہ جسم مبارک پر اس کے نشان پڑ جاتے ، کبھی چمڑے کے اندر بھوسا بھر کر گدا بن جاتا، بس یہی بستر تھا۔ (بخاری کتاب الرقاق)

ایک مرتبہ حضرت عمر نے گھر کے اندر نظر دوڑائی گھر کی کل متاع چند کلو جو اور چمڑے کے چند ٹکڑے ہی نظر آئے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے سروسامانی کی زندگی پر ان کا یہ فدائی رو پڑا، عرض کیا اللہ کے رسول آپ کا یہ حال ہے، قیصر وکسری اللہ کے باغی کیسے کیسے عیش لوٹتے ہیں، آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور جلالی شان کے ساتھ فرمایا عمر کچھ شک ہے؟ ان لوگوں کو سارے مزے دنیا ہی میں لوٹ لینے ہیں ۔ (طبقات ابن سعد)

حجرات نبوی کی تعمیر کا یہ حال تھا کہ تعمیر کچی اینٹ کی تھی، کچھ حجرے کھجور کی ٹٹیوں کے تھے، چھت اتنی اونچی کہ کھڑے ہو کر ہاتھ لڑتا ، چوڑائی چھ سات گز اور لمبائی دس ہاتھ تھی، دروازوں کو قاعدے کا پردہ بھی میسر نہیں تھا، بوسیدہ کمبل ہی ڈال دیا جاتا تھا۔

ازواج مطہرات بھی اس طرز عمل پر نہایت قانع تھیں اور صبر وشکر سے گزر کرتی تھیں ، جب اللہ کی طرف سے فتوحات کے بعد غذائی اشیاء اور مال کی دولت کی کچھ فراوانی ہوئی، تو ان کو امید ہوئی کہ عام انسانوں کی طرح اللہ کے رسول اپنے گھر کے معیار میں کچھ بہتری لائیں گے، کم از کم دو وقت کی روٹی کی حد تک تو ان کو بھی امید تھی کہ یہ میسر ہو ہی جائے گی ، انہوں نے اس کا مطالبہ کیا، مگر اللہ کے رسول نے اس کو ایسا ناپسند کیا کہ ایک ماہ تک گھر کے اندر تشریف نہیں لے گئے ، اور اللہ کی طرف سے آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں سے صاف کہہ دیں کہ اللہ کے رسول کی رفاقت تو اسی حال اور فقر وفاقہ کے ساتھ ہی ممکن ہے، اس گھر کا تو یہی حال رہے گا، اگر تم میں سے کوئی دنیا کی زندگی کی رفاہیت وزینت کی طالب ہے تو وہ مجھ سے بحسن وخوبی الگ ہو سکتی ہے اور اگر تم کو اللہ کی رضا رسول خدا کی رفاقت اور آخرت زیادہ محبوب ہیں، تو اللہ نے تمہارے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، یہ حکم قرآن کی آیات کی شکل میں نازل ہوا (سورہ احزاب) آپ نے ازواج مطہرات کو اس فیصلہ سے مطلع کر دیا ان سب نے بیک زبان ہو کر اللہ کے رسول کی رفاقت کو اختیار کیا۔

جیسا کہ ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے، یہ فقر وزبوں حالی اس وقت بھی قائم رہی جب آپ کے پاس مال ودولت کے ڈھیر آ آ کر لگنے لگے تھے، جس دن مال آتا آپ اس وقت تک گھر کے اندر تشریف نہ لے جاتے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جاتا ، فدک سے کچھ غلہ آیا، حضرت بلال نے بیچ کر وہ قرض ادا کیا جو ایک یہودی سے آپ نے کسی دینی ضرورت کے لیے لیا تھا، آپ نے حضرت بلال سے (جو گھریلو امور کی نگرانی کرتے تھے) پوچھا کہ کچھ بچا تو نہیں؟ ﴿بقیہ صفحہ ۲۴ پر......﴾

دعوت فکر

رزق حلال کی جستجو

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر استاذ تفسیر وادب دارالعلوم وقف دیوبند

ہمارے سماج اور معاشرہ کا ڈھانچہ کچھ اس طرح بن گیا ہے، یا بنادیا گیا ہے، کہ حلال وحرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے، زندگی کی برق رفتاری نے دماغوں پر پیسہ کمانے اور دولت سمیٹنے کا جنون سوار کر دیا ہے، معیار زندگی کے حصول اور آسائشوں کی خواہش نے اچھے برے کا امتیاز مٹا کر رکھ دیا ہے، مقصد زندگی صرف روپیہ کمانا رہ گیا ہے، کہ دولت جس راستہ سے بھی آجائے اور جن راہوں پر چل کر آئے آنا چاہئے، آپ کے پاس اگر روپیہ پیسہ نہیں ہے تو آپ بے حیثیت ہیں، بھلے ہی آپ ایماندار ہوں یا محنتی اور مخلص ہوں، نہ آپ کی کوئی قدر ہے اور نہ کہیں رسائی، نہ آپ کی بات میں وزن ہے اور نہ ہی آپ کی گفتگو میں دوسروں کے لیے دلچسپی کا کوئی پہلو، بھلے ہی آپ قابل ہوں، باصلاحیت ہوں، صاحب کمال ہوں؛ لیکن اگر زندگی کے دامن پر ناکامی کے داغ ہیں تو آپ کا کوئی پرسان حال نہیں، بات ان کی سنی جاتی اور دھیان ان کی جانب مرکوز کیا جاتا ہے، جو پیسے والے ہیں اور جن کے یہاں دولت کی ریل پیل ہے، دولت ایک نشہ کی طرح پورے معاشرے اور افراد پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی بھی اس کے لیے لمحہ بھر سوچنے پر آمادہ نہیں کہ دولت کی طلب نے زندگی کی رونقیں اور حقیقی سکون ہم سے چھین لیا ہے کوئی یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ یہ دولت کن ذرائع سے آرہی ہے اور کس طرح آرہی ہے، اس گندگی میں مسلم معاشرہ بھی کافی حد تک داخل ہو چکا ہے اور المیہ یہ ہے کہ کوئی بھی اچھے راستے کی جانب لوٹنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، اگر آپ اپنے حلقوں کا جائزہ لیں تو یہ ایک سنگین حقیقت سامنے آئیگی، بڑی تعداد ہمارے اردگرد ان لوگوں کی ہے جو راتوں رات دولت مند بننا چاہتے ہیں، آسان راستوں سے دولت پانے کے متمنی ہیں، اگر اس روش پر آپ انھیں ٹوکیں تو ایک بہت مختصر سا جواب دیکر وہ آپ کو خاموش کر دیتے ہیں کہ بھائی روپیہ کی طلب کسے نہیں اور کون آسائشوں بھری زندگی کا طالب نہیں، بات بالکل درست ہے، اس سے کون انکار کرسکتا ہے؛ کیونکہ یہ ایک فطری طلب ہے، بات یہ زیر بحث نہیں ہے؛ بلکہ معاملہ اس دولت کے حاصل کرنے کے طریقوں سے متعلق ہے، اسلام نے جن صاف ستھرے معاشرے کا تصور بخشا ہے اس معاشرہ کی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ وہ انسان کو چند عبادات اور چند لگے بندھے اصولوں تک محدود رکھے، بلکہ اس کا امتیاز یہ ہے کہ فکر وذہن کی آبیاری، عمل وعقیدے کی درستگی اور اخلاق وکردار کی ہر منزل میں وہ ہمارے ساتھ ہے، ایک اچھا اور خدارسیدہ بندہ صرف نمازوں کی ادائیگی اور دیگر عبادات کے اہتمام کو ہی اگر مقبولیت کا سبب جان لیتا ہے تو یہ ایک مغالطہ ہے، عبادات، فرائض اور دیگر تمام اعمال صالحہ ہی قربت اور رضائے رب کا سبب بن سکتے ہیں، رزق حلال کے بغیر عبادات پھیکی اور بے اثر ہیں اور ان کی بارگاہ خداوندی میں قبولیت بھی ایک سوال ہے جس کا جواب بھی اسلام نے مختلف پیراؤں اور انداز سے دیا ہے، حلال روزگار کی تلاش کرنا اور جائز راستوں کو اختیار کرنا ہر عبادت کی روح ہے جسم وجان میں جو حرکت ہے اور رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس کی پیدائش اور پرورش حلال روزی، حلال رزق اور حلال روزگار سے ہونی چاہئے، تب ہی عبادات مقبول، مؤثر اور بارآور ہونگی، اسلام نے حلال روزگار کی بڑی تاکید کی ہے اور ہر سمت اور ہر جہت سے اس کی کوشش کی ہے کہ ایک کلمہ گو حلال رزق کے لیے کوشاں ہو اور جو لقمہ بھی اس کے پیٹ میں جائے وہ ہر قسم کے اشتباہ سے خالی ہو، صحت مند جسم اور صحت

مند خون ہی سے صحت مند افکار اور صحت مند معاشرہ وجود میں آئیگا، حرام رزق سے بیمار ذہن اور بیمار سماج کا جنم ہوگا اور جب پورا سماجی نقشہ ہی بگڑ جائے گا تو اچھائیوں کی موت ہوگی اور برائیوں کا ننگا رقص ہوگا، اب ہم اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ اس کا کیا فرمان ہے قرآن نے اول اپنے رسولوں کو یہ ہدایت فرمائی ہے: یاایھا الرسل کلو من الطیبات واعملوا صالحاً " اے ہمارے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، اپنے مخصوص بندوں اور رسولوں کو باری تعالی نے یہ ہدایت فرمائی کہ پاکیزہ چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں، جب اپنے انسانوں کے لیے اس کا یہ حکم ہے تو وہ عام لوگ جو اس کی عبادت کرنے والے ، حاکمیت کا اقرار کرنے والے ، اس کی یکتائی اور وحدانیت کو تسلیم کرنے والے ہیں، وہ بھی اسی حکم کے پابند ہیں اور ان کے بارے میں قرآن نے کئی جگہ اس کا اعلان فرمایا: "یاایھا الذین آمنوا کلو من طیّبٰت مارزقنکم واشکروا اللہ ان کنتم تعبدون" اے ایمان والوں کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔

دوسری جگہ فرمان خداوندی ہے: "یاایھاالناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً " اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال، پاکیزہ پاکیزہ روزی کی تلاش، پاکیزہ روزگار کی جستجو ایک صاحب ایمان کے لیے لازمی اور ضروری ہے اس کو ان تمام ذرائع کو اختیار کرنے اور ڈھونڈنے کی تاکید ہے جو حلال اور پاک کھانا فراہم کرسکیں، اس لیے کہ ایک مسلمان کے اچھے اور نیک اعمال کی قبولیت کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ کن طریقوں سے اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور اپنی بھوک مٹانے کے لیے اس نے کس رزق کا اہتمام کیا ہے، اگر خدانخواستہ اس نے لقمۂ حرام کا انتخاب کیا ہے تو اس کے تمام اعمال ضائع ہوتے ہیں اور قبولیت کی دہلیز پر بھی قدم نہیں رکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ طویل السفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام ان حالات میں ان کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔(مسلم شریف)

جس دور میں ہم جی رہے ہیں اور جس ذہن کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں یہ بالکل ویسا ہی دور اور ویسی ہی زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس کی پروا نہیں کریں گے کہ حلال سے لیے ہیں یا حرام سے۔

غور کیجیے ہم میں سے کتنے ہیں جو حلال رزق حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے جو حرام روزگار کے قریب نہیں جاتے، اگر ایسے لوگوں کی صحیح تعداد جاننے کی آپ کوشش کریں گے تو بڑی مایوسی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، حرام کمائی کرنے والوں کی دیگر عبادات جہاں مقبولیت سے محروم رہتی ہیں، وہیں ان کے صدقات بھی قبول نہیں کئے جاتے، حدیث میں اس پہلو کے ساتھ دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کوئی بندہ حلال وحرام کسب کر کے اس سے صدقہ کرے تو وہ قبول نہیں ہوتا، اس میں سے خرچ کرے تو اس میں برکت نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے (وارثوں کے لیے) چھوڑتا ہے تو وہ اس کا توشۂ جہنم بنتا ہے۔(رواہ احمد، مشکوۃ شریف)

اسلام نے مسلمانوں کو جن امتیازات کا حامل بنایا ہے اور جو اعزاز ان کو عطا کیا ہے ان ہی میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے اس تماشہ گاہ میں اس کو کسی قدم پر آزاد اور تنہا نہیں چھوڑا ہر سمت اور ہر جہت میں اس کی نگرانی کی اور ہر طرح اس کی ذمہ داری کو نبھایا ہے اسلام نے حرام کھانوں سے بچنے اور حلال روزگار کو پانے کی جس اہتمام سے تاکید کی ہے اس میں بھی ہماری فلاح اور کامیابی کا راز مضمر ہے، اگر حرام کھاتے رہیں، حرام غذائیں استعمال کرتے رہیں تو ہمارا کوئی بھی عمل نہ قبول ہوگا اور نہ ہی نجات کا ضامن بنے گا، ہمیں خاص طور پر اپنے گھروں، اپنے معاشرہ اور اپنے خاندان میں اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ حرام کھانوں، حرام غذاؤں اور حرام روزگار سے محفوظ رہیں، تاکہ رضائے خداوندی اور تقرب الٰہی ہمارا مقدر بنے۔

//////☆☆☆///////

جائزہ

تیسری اور آخری قسط

یورپ کی بھیانک مذہبی عدالت کی سرگزشت

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

مذہبی تعصب کی مثال:

جدید نظریات اور انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر انکوئے زیشن گویا اذیت وصعوبت، علمی وعقلی دہشت گردی، مذہبی غیر رواداری کی علمبردار اور بھیانک ترین علامت تھی، یہ سب سوچ کر کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، کہ انسان انسان کے خلاف اذیت کے کیسے ظالمانہ طریقے نکالتا ہے، آخر ایسا کیوں؟۔

یہ بات مدنظر رہے کہ جو سزائیں ملزموں کو اس وقت دی جاتی تھیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی مثلاً جو لوگ نقلی روپے پیسے کے نوٹ کرنسی بنا لیتے تھے، ان کو بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا، نقب لگانے والوں کو پھانسی لگایا جاتا تھا، غلط تولنے اور وزن کرنے والوں کو کوڑے لگائے جاتے تھے بعض دفعہ چوری کے مرتکب ہونے والوں کو موت کی سزا دے دی جاتی تھی، ایک اور ظالمانہ اور بہیمانہ طریقہ تشدد کا یہ تھا کہ ملزم کو پہیہ کے اوپر رسیوں سے باندھ کر پہیہ گھمایا جاتا تھا، جس سے اس کی ہڈیوں کا کچومر نکل جاتا تھا اور وہ رفتہ رفتہ موت کی آغوش میں چلا جاتا تھا، ایک مدبر اور دانش ور آدمی جس کا نام جان کالوین Jonn Calvin تھا اس نے اپنے علمی حریف Michaei Servetus کو اس طریق سے ہی لقمہ اجل بنایا تھا۔

یہودیوں سے سلوک:

جب کسی یہودی کو مذہبی عدالت میں لایا جاتا تو کسی دوسرے یہودی کو مدعا علیہ کے خلاف حلفیہ اظہار دینے کی اجازت نہ ہوتی تھی، یہودیوں میں اکثر ایسے معالجین بھی تھے جن کو خدا نے دستِ شفا دیا تھا، اس لیے عیسائی ایسے ڈاکٹروں کی بہت آؤ بھگت کرتے تھے، لیکن کسی نے یہودی ڈاکٹروں کے خلاف یہ افواہ اڑا دی کہ وہ بہت سارے عیسائی مریضوں کی موت کے ذمہ دار ہیں، چنانچہ ملک میں بدامنی کو ختم کرنے کے لیے جلد ہی حکومت نے ایک قانون پاس کر دیا جس کے مطابق یہودی ڈاکٹر پریکٹس نہیں کر سکتے تھے، اس قانون کی 1335ء اور 1412ء میں دو دفعہ توثیق کی گئی۔

1412ء میں ایک شاہی فرمان یہ جاری ہوا کہ مسلمان اور یہودی صرف اپنے محلوں میں محبوس رہیں جس کے اردگرد اونچی دیوار ہو اور اس میں ایک بڑا گیٹ ہو، ان پر عیسائی شادیوں اور تجہیز وتکفین میں شمولیت پر پابندی لاگو کر دی گئی، چنانچہ دو اقلیتی قوم پر یہ بہت کڑا وقت تھا۔

یورپ میں 1348ء میں جب طاعون کی وبا بستیوں کی بستیوں کو ملیامیٹ کر رہی تھی تو عیسائیوں نے اس کی وجہ یہودیوں کو قرار دیا، اگرچہ پوپ کلے منٹ ششم نے اس اعتراض کو بودہ قرار دیا اور لوگوں سے پوچھا بتاؤ جن علاقوں میں یہودی نہیں بستے وہاں کیوں لوگ طاعون کا شکار ہو رہے ہیں، 1391ء میں اشبیلہ Seville کے بین الاقوامی شہر میں یہودیوں کے خلاف شہر کے آرگ ڈیکن مارٹینز Martinez نے جہاد (ہولی وار) کا اعلان کیا، لوگوں کے ہجوم نے یہودیوں کی عبادت گاہ کو منہدم کر دیا اور ان کے محلے پر دھاوا بول دیا جو قیامت صغری کا منظر تھا، جو لوگ زندہ بچ گئے ان کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنا لیا گیا، جلد ہی ایسے لوگ بلوے اور مظاہرے ویلینسیا ٹولیڈو، پالما، سارا گوسا کے شہروں میں برپا ہونے لگے اور یہودی تلوار یا بپتسمہ میں ایک کے انتخاب کا موقع دیا

گیا، اس طریق سے جلد ہی ملک کے اندر اتنے نئے عیسائی Conversos پیدا ہو گئے کہ وہ بذات خود ایک فریق بن گئے۔

30/مارچ 1492ء کو کنگ فرنڈینڈ نے پورے ملک کے اندر اس شاہی فرمان کی وسیع پیمانے پر اشاعت کردی کہ اسپین میں موجود تمام یہودی یا تو عیسائی ہو جائیں یا پھر جلاوطنی قبول کر لیں۔

اس کے اطلاق کے لیے یہودیوں کو 31 جولائی تک کی مدت دی گئی جو جلاوطن نہیں ہوگا اس کو تہہ تیغ کر دیا جائے گا، اس کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں کو اپنی املاک اور جائیدادیں اونے پونے داموں پر فروخت کرنی تھیں، یا جن لوگوں نے قرض پر لیں ان سے وہ قرض وصول نہیں کر سکتے تھے، جو یہودی 31/جولائی کے گزرنے کے بعد ملک سے نہ گئے، تو ان کی جائیداد پر قبضہ بزور شمشیر کر لیا گیا۔

یاد رہے کہ یہودی اسپین میں پانچ سو سال تک مسلمانوں کے زیر اقتدار رہے، اس عرصہ کو گولڈن ایج آف جیوز Golden age ofJews کہا جاتا ہے، 1492ء میں کنگ فرڈینڈ اور کوئین ازابیلا نے جلاوطنی کا جو شاہی فرمان Edict of Expulsion جاری کیا تھا، اس کو سرکاری طور پر 16 دسمبر 1968ء کے روز منسوخ قرار دیا گیا تھا۔

اسپین کے اندر شروع میں تو یہ تحریک یہودیوں کے خلاف تھی، مگر 1540ء کے بعد یہ تحریک پروٹسٹنٹ افراد کے خلاف شروع ہوگئی، تاکہ پورے ملک کو ایک فرقہ یعنی کیتھولک کے جھنڈے تلے متحد کیا جا سکے۔

مسلمانوں سے سلوک:

آٹھویں صدی سے لے کر گیارہویں صدی تک مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان حالات بہت خوشگوار رہے، ویانا (اسٹریا) کے شہر میں 1311ء میں جو چرچ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تھا اس موقع پر پوپ کلے مینٹ پنجم Pope Cloement V نے تمام ممالک کے رؤسا اور شہزادوں کو ہدایات جاری کیں کہ مؤذن کے مینار سے اذان دینے پر پابندی عائد کر دیں، مگر ایک سو سال تک اس ظلم پر عمل نہ کیا گیا تھا بالآخر کنگ فرڈینڈ اور کوئین ازابیلا کے برسر اقتدار آتے ہی اس پر عمل درآمد کیا جانے لگا۔

اگر چہ کنگ فرڈینڈ اور کوئین ازابیلا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے حقوق کی حفاظت کریں گے یعنی ان کو اپنے مذہب کی آزادی ہوگی، وہ عربی زبان بول سکیں گے وہ اپنے رسم ورواج بجالا سکیں گے ان کی جان اور جائیداد کی حفاظت کی جائے گی، مگر ان تمام وعدوں کو کارڈینل ڈی سسنیروز deCisnerose کے اصرار پر پاؤں تلے روند دیا گیا، 1498ء میں کارڈینل خود غرناطہ گیا اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ بپتسمہ لے کر عیسائیت کو سچا مذہب سمجھ کر قبول کر لیں، چنانچہ ایک دن میں تین ہزار افراد کو بپتسمہ لینے پر مجبور کیا گیا، جب لوگوں میں اس فعل پر منفی ردعمل ہوا تو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ غرناطہ میں مسلمان اپنی جائیدادوں کے حقوق کھو بیٹھے ہیں اس لیے یا تو وہ مذہب تبدیل کر لیں یا پھر ملک سے دربدر ہو جائیں، مسلمانوں کی مثال تو ایسے تھی جیسے بھیڑوں پر بھیڑیئے کو رکھوالی کے لیے رکھ دیا جائے۔

آراگان Aragon کی ریاست میں تو مسلمانوں کی زندگی اور بھی اجیرن کر دی گئی، 1525ء میں کنگ چارلس پنجم نے فرمان جاری کیا کہ اس کی مملکت میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس دھمکی کے پیش نظر کثیر تعداد میں پورے کے پورے شہر اور گاؤں حلقہ بگوش عیسائیت ہو گئے 1538ء میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو اس جرم پر سزا دی گئی کہ وہ مسلمانوں والے موسیقی کے آلات اور ڈانس (جیسے زمبراز Zambras) کرنے کے ساتھ کوس کوس Kuskus تناول کر رہے تھے، کنگ الفانسو دہم نے حکم جاری کیا کہ جو مسلمان یسوع مسیح (علیہ السلام) کا نام یا ان کی والدہ صاحبہ (علیہا السلام) کا نام بے وجہ بولے گا تو اسے کوڑے مارے جائیں گے، اگر وہ یہ جرم تین بار کرے گا تو اس کی زبان نوچ لی جائے گی، مسلمانوں کو زرعی زمین پر سے پیداوار کا دسواں حصہ کلیسا کو دینا ہوتا تھا، تمام مساجد کو چرچوں میں تبدیل کر دیا گیا، اسی لیے مسجد قرطبہ پیوند خاک نہیں کی گئی اور ابھی تک موجود ہے، اگر کوئی مسلمان بازار میں جا رہا ہوتا اور وہاں سے عیسائی صلیب اٹھائے گزر رہے ہوتے تو، اس کے لیے

لازم تھا کہ وہ گھٹنوں کے بل جھک جائے ، اگر کوئی عیسائی مسلمان ہوجاتا تو ارتداد کی سزا ہرصورت میں موت تھی۔

1556ء میں جب فلپ ثانی (Phillip II1556-1596) سریر آرائے مملکت ہوا تو محکمۂ احتساب عقائد (انکوئے زیشن) کی سپریم کونسل کے ممبران سے کہا گیا کہ وہ الحاد کی تحریک کو پوری سیاسی قوت سے دبادیں، چنانچہ بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق عربی زبان پر پابندی لگادی گئی ،کوئی شخص مورش لباس نہیں پہن سکتا تھا، تمام مورش حمام بند کردئے گئے ، یہ لازمی قرار دیا گیا کہ جب مورش خاندان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتو وہاں عیسائی دایہ ضرور موجود ہوتا کہ اسے بپتسمہ دیا جاسکے، مورش خواتین کے ہاتھوں اور پاؤں پر حنا کے استعمال پر پابندی لگادی گئی ،عیدین اور دوسرے اسلامی تہواروں کے موقع پر گھروں کے دروزاے کھلے رکھنے کو کہا جاتا ،غرناطہ شہر کے تمام حمام مسمار کردئے گئے بشمول الحمراء کے عظیم الشان محل کے پورے اسپین میں تمام مساجد کو عیسائی عبادت گاہوں میں تبدیل کردیا گیا، سرکاری حکم تھا کہ تمام مسلمان بچے جو تین سال سے پندرہ سال کی عمر کے ہوں ان کو عیسائی پادریوں کے حوالے کردیا جائے تاکہ وہ ان کو عیسائی عقائد اور اطوار سے آگاہ کرسکیں۔

بالآخر 1610ء میں کنگ فلپ سوم نے تین لاکھ مورسکوز (ایسے اسپینش مسلمان جو کیتھولک ہوگئے تھے Moriscos) کی جلاوطنی کا حکم جاری کردیا، جو اس شاہی فرمان کی حکم عدولی کریں گے ان کو موت کے گھاٹ اتاردیا جائے گا، ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے شہروں، گاؤں سے روانہ ہوکر مقررہ بندرگاہوں پر پہنچ جائیں ، بعض شہروں میں ان کو اپنی اشیاء فروخت کرنے پر پابندی لگادی گئی اور جن شہروں میں ان کو مال واسباب فروخت کرنے کی اجازت تھی، وہ اونے پونے داموں پر لگے ہاتھوں نکال دیا گیا، ان پر کسی قسم کے زیورات اور ہیرے ساتھ لے جانے پر پابندی تھی، چنانچہ اس فرمان کی حکم عدولی پر تیس مسلمانوں کو برگوز Burgos کے شہر میں پھانسی لگادیا گیا، ان مفلوک الحال لوگوں میں سے جو خوش قسمتی سے نارتھ افریقہ کے ممالک تک پہنچ گئے، ان کو وہاں پہنچ کر مقامی عرب آبادی کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

جلاوطنی کا یہ بہیمانہ طریق کار اگلے پانچ سال یعنی 1615ء تک جاری رہا، ایک تاریخ داں ویکن درد Vacandard نے اندازہ لگایا ہے کہ پانچ لاکھ سے زیادہ مسلمان اسپین سے جلاوطن کئے گئے تھے۔

دو پادریوں نے بادشاہ فلپ دوم کو یہ تجویز پیش کی کہ ملک سے مسلمانوں کے مکمل انسداد کے لیے دو مزید انکوزیٹر جنرل مقرر کئے جائیں تاکہ ہر شہر، ہر محلے میں ان کا پتہ لگا کر ان کی آبادی کم کردی جائے، دوسری تجویز یہ تھی کہ تمام نوجوان اور ضعیف العمر مسلمان مردوں کو خصی کرکے نارتھ امریکہ کے سردترین علاقہ نیوفاؤنڈ لینڈ (موجودہ کینیڈا) میں دربدر کردیا جائے۔

جب فلپ سوم Phillip III 1589-1621 بادشاہ بنا تو اس نے سرکاری اعلان جاری کردیا کہ چونکہ اسپین کے مسلمان ترکی کے سلطان سے ساز باز کررہے ہیں اس لیے وہ جلاوطن کئے جاتے ہیں، یہ فرمان 22 ستمبر 1609ء کو جاری ہوا اور پانچ لاکھ مسلمان اسپین سے کبھی واپس نہ آنے کی امید پر رخصت ہوگئے، یوں مورش پرابلم کا حل تلاش کرلیا گیا، 1615ء میں جلاوطنی کی یہ مہم پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، اس کے بعد اندلس کی سرزمین سے کسی نے مؤذن کی آواز صدیوں تک نہ سنی۔

عربی کا علمی ذخیرہ تباہ :

یکم جنوری 1567ء کو ستر ہزار کے قریب نہایت بیش قیمت عربی کتاب کو غرناطہ شہر کے ایک چوک میں ہزاروں عیسائی خطیبوں کی موجودگی میں اسپین کے تیسرے گرینڈ انکوزیٹر کارڈینٹل ایکس زیمنس (Cardinal Xinemes de Cisneros(1436-1517 کے حکم پر نذر آتش کیا گیا، جرمنی میں اس طرح علمی ذخیرہ کو 1933ء میں دوبارہ نذر آتش کیا گیا تھا، یادرہے کہ ایکس زیمنس جب انکوزیٹر جنرل تھا تو ڈھائی ہزار افراد کو آگ لگا کر لقمہ اجل بنایا گیا تھا، جسے utodefe کہتے تھے، ایسے ظالمانہ اقدامات کے خلاف دسمبر 1568ء میں غرناطہ کے

مسلمانوں نے علم بغاوت بلند کیا، مگر یہ تحریک زیادہ دیر تک نہ چل سکی، اس تحریک کا لیڈر امیہ شہزادہ محمد بن حمیہ (اسپینش نام DonHernando) تھا، 1570 میں اب نیا شاہی فرمان جاری ہوا کہ کوئی شخص عربی کی کسی قسم کی کتاب نہیں رکھ سکتا یہ حکم سقوط غرناطہ کے تین سال بعد جاری کیا گیا تھا۔

1728ء میں غرناطہ میں ایک خفیہ اسلامی سوسائٹی کے ممبران کو ان کے بازیافت ہونے پر سزادی گئی تھی، 1769ء میں کارٹاجینا کے شہر میں ایک خفیہ مسجد کا پتہ لگایا گیا تھا، اندلس کے بعض حصوں میں آج بھی اسلامی طرز تہذیب کے آثار اس قدر نمایاں نظر آتے ہیں کہ عیسائیت وہاں صرف محض نمائش کے لیے دکھائی دیتی ہے، ایسے یہودی جو اپنا مذہب ترک کر کے بپتسمہ والے کیتھولک بن گئے تھے، ان کو مارانوز Marranos کا لقب دیا جاتا تھا، یہ بظاہر تو عیسائی مگر دل سے یہودی ہی رہے، اسپینش میں مارانوز کے معنی خنزیر کے ہیں۔

اسپین میں انکوئے زیشن 1478ء میں پوپ سکسٹس چہارم Pope Sixtus IV کے حکم پر اشبیلہ کے شہر میں شروع کی گئی تھی، مگر کنگ فرڈیننڈ اور کوئین ازابیلا کے عہد میں یہ محکمہ احتساب عقائد ویٹی کن Vatican سے علیحدہ ہو کر خود مختار ہو گیا، فی الحقیقت کنگ فرڈیننڈ نے اس طریق کار سے اپنے عوام کو بڑی آسانی سے قابو میں کر لیا، اس کی دلی خواہش تھی کہ یہودیت اور اسلام کا اس کی مملکت سے مکمل طور پر قلع قمع ہو جائے، اس لیے انکوئے زیشن محض ایک بہانہ تھی۔

اس مضمون میں جن تین قسم کی انکوئے زیشن کا ذکر گیا ہے، ان میں سے اسپینش انکوئے زیشن سب سے زیادہ ظالم، سنگ دل، ہولناک اور بھیانک تھی، ایک محتاط انداز کے مطابق 346 سال کے عرصہ 1480-1826 میں 32,000 افراد کو زندہ جلا دیا گیا، یہ درحقیقت یہودیوں اور مسلمانوں کے خلاف ethnic Cleansing کی پہلی ایسی مثال تھی جس کے لیے یورپ کے جملہ حکمرانوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا، یہ عدالت وحشت و بربریت اور سوچ پر پہروں thought control کی گھٹیا ترین مثال تھی، جس پر انسانیت کا سر شرم سے ہمیشہ جھکا رہے گا۔

برطانیہ میں انکوئے زیشن قائم نہ ہو سکی، ڈنمارک، ناروے اور سویڈن میں اس کا کوئی اثر نہ ہوا، ہالینڈ میں اسے اسپین سے آزادی حاصل کرنے کے لیے سیاسی رنگ میں استعمال کیا گیا، فرانس میں کنگ جوزف بوناپارٹ کے دور اقتدار 1808-1812 میں اسے منسوخ کر دیا گیا تھا اور 1820ء کے انقلاب فرانس کے بعد تو یہ بالکل ختم ہو گئی۔

//////☆☆☆☆//////

﴿بقیہ صفحہ ۱۸ کا﴾ انہوں نے کہا کچھ بچ رہا فرمایا جب تک کچھ رہے گا میں گھر کے اندر نہیں جا سکتا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا کروں کوئی سائل بھی تو نہیں، مگر آپ نے رات مسجد ہی میں بسر کی دوسرے دن حضرت بلال نے اطلاع دی، اللہ کے رسول، اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم کر دیا گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر گھر کے اندر گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت فاطمہ کے ساتھ آپ کو جیسا تعلق تھا اس کا کچھ تذکرہ گزر چکا ہے، ان کا حال یہ تھا کہ گھر کے سارے کام کاج کرتے کرتے کپڑے غبار میں اٹ جاتے، چکی پینے سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے، مشک بھر بھر کر لانے سے گردن میں اس کا بھی نشان پڑ گیا تھا، ایک موقع پر کہیں سے کچھ غلام و باندیاں آئیں، حضرت علی نے حضرت فاطمہ کی یہ حالت آپ کو بتلائی اور ایک خادمہ مانگی، آپ نے حضرت فاطمہ کو مخاطب کر کے فرمایا، فاطمہ اللہ سے ڈرو، گھر کا کام خود کرو، اللہ کے حقوق وفرائض ادا کرو اور سوتے وقت ۳۳/۳۳ بار سبحان اللہ الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ کر سو یا کرو، یہ تمہارے لیے باندی سے بہتر ہے، بعض روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدر کے یتیموں کا حق تم سے پہلے ہے، دوسری روایات میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک سے پچکے جا رہے ہیں، میں تم کو کیسے دے دوں۔ (ابوداؤد کتاب الخراج)

//////☆☆☆//////

مکتوبات حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدیؒ
مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد - ایک نیازمند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب کے نام سے اس وقت واقفیت ہوئی جب ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ء میں ندائے شاہی والد صاحب کے پاس آتا تھا، رسالے کے ٹائیٹل پر حضرت مولانا کا نام اور پھر حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب کے مجاز بیعت ہونے کی نسبت نیز رسالے میں حضرت مولانا کے مضامین، ان سب باتوں سے حضرت کی شخصیت کی عظمت اور قدر دل میں ہوگئی اور چونکہ رائے پور کے زمانہ قیام میں بزرگوں سے ربط وتعلق کا ذوق اور دلچسپی ہوچکی تھی، اس لیے حضرت مولانا سے بھی خط وکتابت شروع کی، اور رائے پور سے جب اکابرین سے ملاقات کے لیے لکھنؤ، باندہ، ہردوئی کا سفر کیا، تو واپسی میں مرادآباد حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب سے ملاقات کے لیے بھی مدرسہ شاہی پہنچا، مگر سوئے اتفاق کہ حضرت مولانا اس وقت سفر پر تھے، اور ملاقات نہ ہوسکی، اس کے بعد شاید ایک مرتبہ حضرت مولانا کی صرف زیارت ہوئی، وہ بھی اسطرح سے کہ راقم دیوبند گیا ہوا تھا، دارالعلوم کے دارالحدیث میں غالبًا کوئی پروگرام ہورہا تھا، تو بعض ساتھیوں نے دور سے اشارہ کرکے بتلایا تھا کہ وہ حضرت مولانا سید رشید الدین بیٹھے ہیں، بس یہی حضرت مولانا کی پہلی اور آخری زیارت ہے، اگرچہ اس کے بعد بھی حضرت مولانا کی زیارت وملاقات کے لیے مرادآباد حاضری ہوئی، مگر قسمت میں ان سے ملاقات مقدر نہ ہوسکی، البتہ خط وکتابت کا سلسلہ ضرور رہا، مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور سے ایک خط حضرت مولانا کی خدمت میں تحریر کیا، جس میں اپنا تعارف، تعلیمی مشغولیت اور احوال لکھے، جس کا جواب موصول نہ ہوسکا، پھر دوسرا خط تحریر کیا، اس میں بھی مضمون سابق تحریر کرنے کے بعد گذشتہ خط کا تذکرہ کیا، اپنے لیے دعاء کی درخواست کی، اور شعبان کی چھٹی میں حضرت سے ملاقات کے مرادآباد کے سفر کرنے کا تذکرہ بھی کردیا، اس پر حضرت مولانا کا یہ جواب موصول ہوا، جس میں دونوں خطوں کا تذکرہ ہے:

۱- ۷۸۶

عزیز مکرم! سلام مسنون

آپ کے مرسلہ دونوں کارڈ ملے، مشغولیت کیوجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔

جواب کے لیے جوابی خط بھیجنے کی کوئی پابندی نہیں، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق عالم باعمل بنائے۔ آمین

آپ اپنے اساتذہ سے علم بھی سیکھیں اور عمل بھی سیکھیں، انشاء اللہ وہی نافع ہوگا۔

محض مجھ سے ملاقات کے لیے شعبان میں زحمت سفر برداشت کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، جب کہ آپ کے علاقے میں مجھ سے سیکڑوں درجے بہتر لوگ موجود ہیں، دعوات صالحہ میں یاد رکھیں، واقفین حضرات سے سلام کہدیں۔ فقط والسلام

طالب دعا

۱۴۱۳/۳/۲۱ھ احقر رشید الدین

پھر رائے پور سے ہی دوسرا خط لکھا جس میں اپنی خیریت لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی، جس کا جواب حضرت مولانا نے اپنے معتمد اور نائب مہتمم مدرسہ شاہی حضرت مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری سے لکھوایا:

۲- بسم اللہ

محترم مولوی محمد مسعود صاحب سلمہ تعالی

بعد دعا کے معلوم ہو کہ تمہارا خیریت نامہ مل کر مسرت ہوئی، اللہ تعالی تمہیں علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرماویں۔ آمین

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مدظلہ سلام ودعا فرمارہے ہیں

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ فقط والسلام

خیر اندیش

۲۲/اگست ۱۹۹۳ء محمد عمر

نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

پھر رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں جب احقر اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کو تراویح میں قرآن شریف سنا رہا تھا، اور حضرت حافظ صاحب کی سوانح حیات ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے لکھنے میں مشغول تھا، تو معاصرین کے باب میں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب کے مختصر احوال لکھنے کی بھی ضرورت پڑی، جس کے لئے حضرت مولانا کو خط تحریر کیا، جس پر یہ والا نامہ آیا:

۳- ۷۸۶

از: مدرسہ شاہی مراد آباد ۱۹/۹/۱۴۱۵ھ

محترم ومکرم! سلام مسنون!

آپ کا مرسلہ کارڈ ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، رمضان المبارک میں آپ کی فرمائش پوری کرنا بہت مشکل ہے۔

حضرت حافظ صاحب سے میرا اسلام کہدیں اور دعا کی درخواست، واقفین حضرات سے سلام کہدیں

دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام

طالب دعا

۱۹/رمضان المبارک احقر رشید الدین

جب احقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوا، وہاں سے سبھی اکابرین کو خطوط لکھے، سبھوں نے دعائیں دیں، حضرت مولانا کو بھی خط لکھا، ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا، اور نصیحت طلب کرنے کے ساتھ دعاؤں کی درخواست کی، جس پر یہ جواب آیا:

۴- ۷۸۶

از مدرسہ شاہی مراد آباد

محترمی! سلام مسنون

پچھلے دنوں کافی بیمار رہا، اب الحمد للہ روبصحت ہوں، دوا جاری ہے، دعا کی ضرورت ہے، ۹/اکتوبر کو مغرب کے بعد ندوہ حاضر ہوا تھا، عشاء کے وقت واپس ہو گیا تھا، بعض احباب سے ملاقات ہوئی تھی، ممکن ہے کہ میں اگلے ہفتے میں باہر چلا جاؤں، دعا میں یاد رکھیں، وقت کی قدر کریں، جوانی کو عبادت میں گزاریں، ہر آن سنت کی پیروی میں گزاریں، واقفین حضرات سے سلام فرمادیں۔

دعوات صالحہ میں یاد رکھیں، خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔

فقط والسلام

۱۵/۶/۱۴۱۶ھ احقر رشید الدین

اس کے چند روز بعد پھر حضرت مولانا کو ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں اپنے احوال لکھے، اور اپنی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' کا تذکرہ کیا، جو انہیں دنوں میں چھپ کر آئی تھی، مگر حضرت مولانا بیرونی سفر پر جا چکے تھے، اس لیے خط کا جواب حضرت مولانا کے معتمد نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عمر صاحب نے تحریر کیا، جو مندرجہ ذیل ہے:

۵- بسم اللہ

محترم قاری محمد مسعود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مدظلہ ملک

سے باہر ہیں۔

ماسٹر عبدالستار صاحب کے ذریعہ ''مختصر تجوید القرآن'' نامی کتاب ملی، آپ کے نہ بھیجنے کا بہت بہت شکریہ، اللہ تعالی آپ کو دارین کی سعادتوں سے نواز دے۔ آمین

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ والسلام

محمد عمر

۲۲ر رجب ۱۴۱۶ھ نائب مہتم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

پھر ۱۹۹۹ء میں ایک خط حضرت مولانا کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں اپنی تعلیمی مصروفیت تحریر کی، اور ندوۃ العلماء سے فراغت کے متعلق لکھا، اور دعا کی درخواست کی، مگر حضرت مولانا ملک کے اندر ہی کسی سفر پر تھے، اس لیے حضرت کے ایک معتمد نے خط کا جواب تحریر کیا، جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:

۶- باسمہ تعالی

مرادآباد مدرسہ شاہی ۹۹/۹/۲۹ء

محترم ومکرم......زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا، آپ کا مراسلہ ۱۹۹۹/۹/۲۴ء کا ملا، پڑھ کر تمام چیزوں کا علم ہوا۔

مگر حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی اس وقت یوپی سے باہر، اندور، بنگلور، مدھیہ پردیش وغیرہ کے دورہ پر ہیں، اطلاعا کارڈ روانہ ہے، خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

بقلم عبدالجلیل غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

اس کے بعد کوئی خط وکتابت حضرت مولانا سے غالباً نہیں ہوئی، البتہ انکی عظمت اور قدر دل میں برابر رہی، مگر ان سے کبھی بالمشافہ ملاقات کا موقع نہ مل سکا، یہاں تک کہ ۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ سعودی عرب کے وقت کے مطابق بوقت دوپہر مدینہ منورہ میں حضرت مولانا بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگئے، اور اپنی زیارت وملاقات سے ہمیشہ ہمیش کے لیے محروم کرگئے، خدا کرے آخرت میں ملاقات ہو۔

عشاء کے بعد مسجد نبوی کے امام شیخ صلاح البدیر کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالی ان پاک روحوں کے طفیل میں اپنا بھی کام بنادے، اور اپنی رضا کا پروانہ نصیب فرمادے، کہ اپنے اعمال میں اللہ کے محبوب بندوں کی محبت وتعلق کے علاوہ اور کچھ نہیں، اللہ تعالی اپنے نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام خدا کا نور ہے

میری غرض اس بیان سے صرف یہ ہے کہ آج اگر مسلمانوں کے ایمان پختہ ہوجائیں اور خدا تعالی کے وعدۂ نصرت ''وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' پر ان کو پورا بھروسہ ہوجائے اور تکالیف کی برداشت میں ذرا صبر واستقامت سے کام لیں تو ان کی کامیابی یقینی ہے، کیونکہ آج دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے، جس میں صرف ہندوستان میں کروڑوں آباد ہیں، اگر یہ سب متفقہ طور پر اپنے دین کی خدمت کے لیے صبر و استقامت کی مضبوط ڈھال لے کر کھڑے ہوجائیں تو کیا کوئی طاقت ہے جو توحید کی بجلی پر غالب آجائے، دشمنان خدا ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کی کوشش کرتے رہے ہیں؛ لیکن خدا تعالی کی نصرت اور توفیق سے مؤمنین کی قوت ایمان اور استقامت ہمیشہ ان کی کوششوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئی، اسلام خدا کا نور ہے جو ان کور چشموں کی معاندانہ پھونکوں سے کبھی نہیں بجھ سکتا۔ (شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ)

ایمان کی باد بہاری

دو عیسائی لڑکیاں اسلام کی آغوش میں

مولانا ابرار احمد اجراوی محلّہ خانقاہ دیوبند

آج کی روشن خیال اور ترقی یافتہ دنیا بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، اس کے تمام قوانین وضوابط فرد سے لے کر ریاست تک کے تمام شعبوں کو حاوی اور محیط ہیں، اسلام اپنے پیروکاروں کو سفر زندگانی کی کسی بھی راہ پر تنہا اور بے مقصد نہیں بھٹکنے دیتا، بلکہ ہر ہر قدم پر صحیح رہ نمائی کرتا ہے، ہر چند کہ بیرونی عوامل انسان کی عقل وخرد پر منفی اثرات ڈال کر اسے صحیح ضابطۂ حیات سے ہٹا کر ادھر ادھر کی پگڈنڈیوں پر ڈال دیتے ہیں، جس کا منفی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں غیر شعوری طور پر لادینی، آزادخیالی، بے اعتدالی اور بے راہ روی کے مہلک جراثیم سرایت کر جاتے ہیں اور آئینۂ دل اتنا غبار آلود ہو جاتا ہے کہ اس پر منعکس ہونے والی چیز گدلی، بھدی اور میلی معلوم ہوتی ہے، لیکن جب انسان خالق کائنات کی عطا کردہ بیش بہا نعمت میں غور وفکر سے کام لیتا ہے، تو آئینۂ دل سے گرد وغبار کی دبیز تہیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں، زندگی کے برتنے کا عمل جتنا دراز ہوتا ہے، اتنا ہی انسانی آنکھوں کے سامنے حقائق اپنے صحیح حجم اور واقعی مقدار میں منکشف ہونے لگتے ہیں، دو روسی دوشیزاؤں کے قبول اسلام کی دل چسپ کہانی کچھ اسی قسم کے تصور کو تقویت بخشتی ہے۔

اسلام کے آغوش میں پناہ لینے والی یہ دونوں لڑکیاں ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ہم وطن بھی ہیں ان میں سے ایک "ولیلی" (یولیو یوگنچض کاپا) سکینڈری اسکول تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک بڑی دواساز کمپنی میں چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کے عہدے پر فائز ہے، جب کہ مریم (وخسانا گوبونیف) اتنی ہی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک تجارتی سینٹر میں سیلز مین ہے۔

ان دونوں لڑکیوں نے اپنے دخول اسلام کے اسباب سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ ہم دونوں مختلف نسلوں اور گروہوں سے تعلق رکھنے والے بہت سارے مسلمانوں کو قریب سے جانتی تھیں اور بار بار رفاقت کار اور گفت وشنید کا سنہرا موقع بھی ہم دست ہوا تھا، ہم نے ان کے اندر مؤدت ومحبت، آپسی بھائی چارہ، بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے پیار، عورتوں کی تعظیم وتکریم، خوشی ومسرت اور رنج وغم میں مشارکت نیز نشہ آور اشیاء شراب وغیرہ سے حد درجہ گریز، جیسی نمایاں صفات پائیں، جس نے ہمارے لیے سنجیدہ اور معروضی غور وفکر کی راہیں ہموار کیں، چنانچہ ہم نے ان لوگوں سے اسلام کے متعلق بہت سارے سوالات کیے اور مسجد کی زیارت کے حوالے سے اپنی رغبت کا اظہار کیا، وہ دونوں بتاتی ہیں کہ ہم نے مسجد جانے کی خواہش ظاہر کی تو بعض رجعت پسند لوگوں نے ہمیں یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی کہ مساجد اور دیگر عبادت گاہوں میں عورتوں کا داخلہ شرعاً ممنوع ہے، جیسا کہ عموماً قفقاز کے باشندے اس سلسلے میں سخت گیری سے کام لیتے ہیں، آخرش ہماری ملاقات ایک ایسے مسلم شخص سے ہوئی جس نے مسجد کے راستے اور اس کے جائے وقوع کی طرف ہماری رہنمائی کی، مسجد پہنچنے کے بعد کاریلیا کے مفتی "شیخ وسام بردویل" سے باریابی کا موقع ملا، علیک سلیک کے بعد ہم نے ان کے سامنے چند سوالات رکھے، جس کا انہوں نے اپنے وسیع علم ومطالعہ کے مطابق بڑی خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا، پھر ہم لوگ مسجد سے متصل کتب خانے میں بیٹھ گئے، جہاں ہم نے اسلام کے موضوع پر کئی ایک کتابوں کا مطالعہ کیا، نیز چند اسلامی ویڈیو کیسٹس بھی دیکھیں، جب ہم دوسرے دن مسجد پہنچے

تو ہمیں یکا یک غیر شعوری طور پر محسوس ہوا کہ کوئی ''نادیدہ چیز'' ہمیں یہاں کھینچ لائی ہے، ہم نے وہاں پہنچ کر مفتی صاحب کے شیریں لب ولہجہ اور پرتاثیر آواز میں مذہب اسلام سے متعلق نہایت قیمتی باتیں سنیں اور چند گھنٹے مطالعے میں گزارے۔

بحمداللہ اگلے دن وہ تاریخی اور انقلابی گھڑی بھی آئی، جب ہم نے مفتی صاحب اور دیگر مسلم حاضرین کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، ان کا کہنا ہے کہ ہم دونوں نے صرف اسلام کو اس لیے پسند کیا کہ وہ استقامت، اعلیٰ اخلاقی قدروں، منظّم ضابطہ حیات اور انسانی جذبات سے عبارت مذہب ہے اور وہ شراب سمیت ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے، جو انسانی صحت اور معاشرے کے لیے ضرر رساں ثابت ہوں۔

نومسلم لیلی نے کہا: میں نے فوراً اپنی ماں کو اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی، وہ سنتے ہی نہایت خوف زدہ ہوگئیں، انھیں یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ کہیں وہ دہشت گردی اور خودکش حملوں میں نہ اتر آئیں اور کہیں دہشت گردوں کا گروہ اس کے گھر پر دھاوا نہ بول دے، لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد انھیں اطمینان حاصل ہوگیا اور منفی سوچ کے دبیز پردے ان کے دل ودماغ سے ہٹنے لگے، میری ماں جو اب تک خنزیز کا گوشت خریدتی تھیں، اب میرے لیے خاص طور سے حلال گوشت خریدتی ہے، اور صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام رکھتی ہے، میری والدہ نے ایک لمبی چادر خرید کر مجھے دی، میں اسلام لانے کے بعد شرعی حجاب میں رہنے لگی، تاہم اپنی ماں کے روبرو پردہ میں آنے سے کتراتی تھی، اب خدا کا شکر ہے کہ جب میری ماں کو بعض رشتے داروں کے ذریعہ یہ خبر معلوم ہوئی، تو انہوں نے اسے وسعت قلبی کے ساتھ قبول کرلیا، میں چاہتی ہوں کہ اپنی ماں کے ساتھ رہوں، چونکہ اسلام والدین کی اطاعت اور حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔

نومسلم مریم کہتی ہیں: جب میں نے اپنے بڑے بھائی کو اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی رضامندی ظاہر کی، بلکہ میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ مریم! تمہیں عقیدے اور مذہب کی آزادی حاصل ہے'' سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مریم نے بتایا کہ میرے گھر کے تمام افراد نے میرے تبدیلیٔ مذہب کے فیصلے کو میرا ذاتی معاملہ تصور کیا، جس کے حوالے سے مجھے مکمل آزادی حاصل ہے، آغاز میں مجھے جو پریشانی درپیش ہوئی، وہ کھانے کی تھی، اس لیے کہ گھر میں عموماً خنزیر کا گوشت پکتا تھا؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد میں نے کہا کہ وہ لوگ میرے جذبات کا بھی احترام کریں۔

مریم نے مزید کہا کہ میرے احباب اور رشتے داروں کو جب میرے اسلام کی خبر پہنچی تو انہوں نے مجھ سے قطع تعلق کرلیا اور مجھ پر عیسائیت کے ساتھ غداری کا الزام بھی لگایا، دراصل وہ لوگ صرف یہ جانتے ہیں کہ مذہب اسلام دہشت گردی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور غیروں کے ساتھ عدم رواداری کی تعلیم دیتا ہے، لیکن وہ لوگ یہ بھول گئے کہ دنیا کے تمام ممالک کو حق خودارادیت حاصل ہے اور روئے زمین پر بسنے والے ہر فرد بشر کو دین اور عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

سب سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہمارے اندر یہ احساس پیدا ہوگیا کہ ہمارے دلوں میں تقویٰ اور طہارت کی قندیل روشن ہوگئی ہے، ہم غلاظت اور دنیا کی تمام آلائشوں سے دھل دھلا کر ایک صاف ستھری اور بے اعتدالیوں سے پاک زندگی بسر کر رہے ہیں، مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی زندگیوں میں جو تبدیلی رونما ہوئی، اس کے بارے میں وہ کہتی ہیں کہ ہمارے شب وروز کے تمام کاموں میں تبدیلی درآئی ہے، ہمارے اندر صبر وتحمل کا مادہ پیدا ہوگیا ہے، والدین کے ساتھ ہمارے موجودہ تعلقات ماقبل کے تعلق سے کہیں اچھے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس اعلیٰ معیار کی تربیت اسلام اپنے پیروکاروں کی کرتا ہے ایسی تربیت ماں باپ بھی بچے کی نہیں کرتے، اخیر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ اسلام کی ایک تصویر ہے، جب کہ لوگ اسلام کو مسلمانوں کے کردار کے ذریعے جاننے اور برتنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ طرز عمل جانبدارانہ اور عصبیت پر مبنی ہے۔

(ترجمہ از ''العالم الاسلامی'' شمارہ ۱۸۵۱)

قیام لیل

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مولانا محمد نظام الدین ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

نماز مومنوں کے لیے معراج ہے اور مومن ہر نماز میں اپنے مالک ومولی کا دیدار باطنی کرتا ہے، ان سے مناجات کرتا ہے اور حال دل سنا کر دل کے احساسات وجذبات اور اپنی بندگی وغلامی کا اظہار کھلے دل سے کرتا ہے؛ لیکن اس کی باطنی کیفیت میں اس وقت ایک نیا نکھار پیدا ہوجاتا ہے، جب رات خاموش ہوجاتی ہے، ہر طرف سناٹا چھاجاتا ہے، موسم گرما میں رات ٹھنڈی ہوجاتی ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، میٹھی نیند انسان کو اپنی آغوش میں لے رہی ہوتی ہے اور موسم سرما میں لحاف اور گرم کپڑوں کی گرمی اپنے عروج پر ہوتی ہے، اس وقت خالق دوجہاں آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور اس وقت اس کی جانب سے مغفرت وعطا کی صدا لگائی جاتی ہے، ایسے وقت میں ایک بندۂ خدا صرف محبت الٰہی سے سرشار ہوکر اور ایمانی حلاوت سے معمور ہوکر اپنی نیند کو حرام کرکے بندہ نوازی میں مشغول ہوجاتا ہے، چونکہ اس وقت دینے والے کی طرف سے عطا وبخشش کا اعلان اور لینے والے بندہ کی طلب صادق کا ایسا امتزاج ہوتا ہے جس کی شیرینی اور چاشنی سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جو اس کی لذت سے آشنا ہو اس لیے اس وقت بندہ دل کھول کر اللہ سے جو کچھ بھی مانگتا ہے اس کو نوازدیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ایک گنہگار بندہ جو ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو وہ بھی جب اپنے گناہوں سے تائب ہوکر ندامت وحسرت کے آنسو بہا کر بارگاہ عفوودرگزر میں حاضر ہوتا ہے تو اسے بھی اپنے اس خلوص نیت کی وجہ سے ایسا احساس ہوتا ہے کہ ابھی ابھی وہ ایک صاف وشفاف چشمہ سے نہا کر اپنی ساری گندگیوں کو دھونے اور مشک عنبر سے معطر ہونے کے بعد کسی غفور ورحیم آقا کے دربار عالیشان سے کچھ دولت گرانمایہ لے کر واپس ہورہا ہے، اس کی آنکھوں میں چمک اور چہروں پر دمک ہوتی ہے، اس کا چہرہ خوشی ومسرت سے چمک رہا ہوتا ہے، اس کی آنکھوں میں فراست ایمانی کی جھلک بخوبی دیکھی جاسکتی ہے، اس کی مومنانہ نگاہ میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اس سے تقدیریں بھی بدل جایا کرتی ہیں۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ اقبال نے دنیا وآخرت کی کامیابی کو آہ سحر گاہی پر منحصر کرتے ہوئے درج ذیل شعر میں اسلامی تاریخ کی چند نمایاں شخصیتوں کو بطور نمونہ پیش کیا ہے ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ایسے بے شمار تہجد گزار بندے گذرے ہیں جن کی تاریخ شاہد ہے اور ہماری تاریخ وسیر کی کتابوں میں بھی ایسی شخصیتوں کے نمایاں خدوخال اور ان کی آہ سحر گاہی اور گریہ وزاری، اپنے خالق ومالک سے محبت وشیفتگی، خوف وخشیت کے ایسے سچے واقعات ملتے ہیں، جن سے ہر دور کا مسلمان عبرت حاصل کرکے اپنے مستقبل کو سنوار سکتا ہے، ویسے بھی مسلمانوں کا ماضی اتنا تابناک اور درخشاں ہے کہ اگر مسلمان اس پر غور کرکے آگے بڑھنا چاہے تو ہر دور میں اس سے اس کو رہنمائی ملتی رہے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم رات کے قیام کو یعنی نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کرو؛ کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ

رہا ہے اور اس سے تمہارے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس سے گناہوں سے رکاوٹ ہوتی ہے، خصوصاً جو علوم نبوت کے پاسبان وحاملین ہیں اور جن سے عوام الناس کی امیدیں وابستہ ہیں، جن کو پوری امت مسلمہ کی قیادت سنبھالنی ہے، جنھوں نے اپنا میدان عمل دعوت اسلام کو بنایا ہے، جنہوں نے اس علم دین کی خدمت کے لیے اپنے کو وقف کر دیا ہے، جس کو لوگ نمونہ اور اسوہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ اپنے آپ کو تہجد گزاری کا پابند بنالیں؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نماز کا حکم دیا گیا، تاکہ دن بھر جو آپ تھکتے ہیں رات کے اندر دربار الٰہی میں حاضر ہوکر سکون دل حاصل ہو، جب ایک انسان ساری دنیوی امیدوں سے ناامید ہوجاتا ہے اور کسی معاملے میں ہر جگہ اس کو ٹھکرایا جاتا ہے، تو پھر وہ ساری دنیا سے کٹ کر یاد الٰہی میں مشغول ہوتا ہے، اس وقت اس کی جو کیفیت ہوتی ہے اس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی نظر کرم فرماتے ہیں اور پھر اس طرح اس کے دل کو اطمینان وسکون نصیب ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ مزمل میں اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات، یعنی نصف رات یا اس نصف سے قدرے کم کرو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو صاف صاف پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں، بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے، بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو، وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، تو اسی کو اپنے کام سپرد کرنے کے لیے قرار دیتے رہو اور یہ جو جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ''۔

مذکورہ بالا آیتوں سے تہجد گزاری کے چند فوائد نظر آتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے خصوصی محبت وشفقت سے پر خطاب ہوتا ہے۔ (۲) دلوں کے رنج وغم دور ہوتے ہیں۔ (۳) رب کے حضور آہ وزاری سے دلوں کی سختی کم ہوتی ہے۔ (۴) دلوں کی سیاہی مٹتی ہے۔ (۵) قرآن پر غور وتدبر کا اچھا موقع ملتا ہے (۶) فرض منصبی کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ (۷) دعوت کی راہ آسانی ہوتی ہے۔ (۸) نفس امارہ کو زیر کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔ (۹) زبان ودل میں ہم آہنگی پیدا ہوجاتی ہے۔ (۱۰) بات میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔ (۱۱) خدا کی تعریف کرنے کے لیے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ (۱۲) سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہوجانے کا اچھا موقع ملتا ہے۔ (۱۳) دعوت کی راہ میں جو لعن طعن، تلخ کلامی سننے کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ (۱۴) اور اپنے سارے معاملات اللہ کو سپرد کر کے انسان کے اندر خود اعتمادی سے بڑھ کر خدا اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس تہجد کے بدلے اپنے حبیب سے مقام محمود کا وعدہ فرمایا ہے، تو اس میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ایک بندہ عاصی کی تہجد گزاری کے بدلے اس کے خلوص دل کے بقدر حشر کے دن دیدار الٰہی اور جنت میں اعلیٰ مکان سے محروم رہے، آج خصوصاً علماء کرام کو اس نماز کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ وہ عوام وخواص دونوں کے لیے نمونہ ہیں اور ان کے لیے اس لیے بھی ضرورت ہے تاکہ عوام سے باتیں کرتے ہوئے ان کی باتوں میں تاثیر پیدا ہو۔

نہ ہو نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اگرچہ راہ میں کانٹے بچھا دیئے اس نے
مگر مجھے بھی یہ ضد ہے اسی سے گذروں گا

دعوت فکر و عمل

اہل مدارس کے لیے غور خوض کے کچھ اہم پہلو

محمد ارشد فیضی

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دور حاضر میں اسلامی اداروں اور دینی درسگاہوں کا ملک میں جس طرح جال پھیلا ہوا ہے اور روز بروز پھیلتا جارہا ہے، وہ تاریخ کے کسی بھی عہد میں نظر نہیں آتا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل تک ان ہی درسگاہوں سے ایسے ایسے باصلاحیت، جری اور فعال افراد پیدا ہوتے رہے ہیں، جو اپنے زمانے کے نبض شناس اور وقت کی ہر کروٹ سے واقف وباخبر ہوتے تھے، ان کے اندر غیرت وخودداری اور باطل کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کا حوصلہ اور جذبات کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا، ان مدارس سے نکلنے والا ہر شخص صاحب کردار، دین کا درد رکھنے والا، صاحب علم اور ذی استعداد ہوا کرتا تھا اور وہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بدلتے حالات کے اسباب وعلل کا جائزہ لے کر ایسا قدم اٹھانے کے عادی ہوتے تھے جو مدارس کو علمی افلاس اور اخلاقی بے راہ روی سے نکال کر انہیں ان کا سابق کردار واپس دلاسکیں۔

مدارس کی ابتدائی تاریخ سے لے کر اب تک کا زمانہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ ان مدارس نے اپنے شاندار نظام تعلیم وتربیت کے بل پر اپنی کوکھ سے ایسے ایسے افراد کو جنم دیا جنھوں نے حق پرستی کی کھل کر حمایت کی اور وہ باطل عقائد کی بیخ کنی، بدعات وخرافات کے استیصال اور مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لیے برابر پیش پیش رہے، حتی کہ زمانہ کی غلط سیاست، ناجائز قوانین، بادشاہوں، امراء، رؤسا اور وزراء کی غیر اسلامی حرکات پر سخت نکتہ چینی کی، حالات یا حکومت سے سمجھوتہ کرنے کو نہ تو ان کی غیرت نے کبھی گوارہ کیا اور نہ ہی وہ کبھی اس کے روادار ہوئے؛ بلکہ زمانے کے تقاضے کو سمجھ کر رفتار زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے انہوں نے اپنے اندر ایسی قوت اور ایسی صلاحیت پیدا کی جو حالات کا رخ بدلنے میں معاون ثابت ہو سکتے تھے، ان مدارس نے قدم قدم پر حالات کی تبدیلی کا سنجیدگی سے جائزہ لیا اور زمانے کے تغیرات کو واقعی تغیر تسلیم کر کے خاموشی کے خول میں بند ہوجانے اور اس سے منھ پھیر لینے کے بجائے ان کے متعلق عملی اقدامات کیے اور اپنے آپ کو ہر میدان میں مؤثر ثابت کرنے کی کوشش کی، ان مدارس نے قوم وملت کی بقاء وتحفظ اور اس کی تعمیر وترقی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، ان میں عصری حالات اور مخاطب کے نفسیات کی پوری پوری رعایت بھی رہی، کسی ضرورت کو تسلیم کرنے اور مفید وناگزیر چیز کو قبول کرنے میں ان مدارس نے نہ تو کبھی پس وپیش سے کام نہیں لیا اور نہ ہی اس طرح کی پیش رفت میں ان کو کوئی تردد ہوا، یہی وجہ تھی کہ یہ مدارس مختصر سے عرصے میں بلندی کے اس معیار پر جا پہنچے جسے دنیا حیرت بھری نگاہ سے دیکھتی رہ گئی۔

مگر آج کل مدارس کی صورت حال پہلے سے مختلف اور ان کا نقشہ بدلا بدلا سا نظر آرہا ہے، ماضی کے برخلاف اس وقت یہ مدارس ہر محاذ پر نہ صرف قابل ولائق افراد کی کمی کے مسئلے سے دوچار ہیں؛ بلکہ دن بدن شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جارہے ہیں اور عام طور پر مدارس میں ایسی صورت حال پیدا ہوتی جارہی ہے جو حد درجہ افسوس ناک ہے، ان کے علاوہ مدارس کے اندرونی حالات اور داخلی مسائل بھی کافی حد تک مایوس کن ہیں، چونکہ وہ مدارس جو کبھی طاقت وزندگی کا مرکز سمجھے جاتے تھے، جہاں سے انقلاب آفریں شخصیتیں پیدا ہوتی تھیں اور جن کا عوامی اور سیاسی سطح پر قابل رشک اثر ورسوخ ہوا کرتا تھا، آج وہ مایوسی افسردگی اور احساس کمتری میں مبتلا حالات کا شکوہ کرنے میں مشغول ہیں، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کا اہتمام ہر نشست

وبرخاست میں ہونا چاہئے تھا، اب وہ وہاں محدود ہوکر رہ گیا ہے، رائج الوقت رسّہ کشی کی سیاست اور آئے دن ان میں جنم لینے والی گروہی رقابتوں سے مدارس کا ماحول بری طرح آلودہ ہو چکا ہے، علماء کے باہمی خیالات ونظریات میں تصادم وٹکراؤ اپنے عروج پر ہے اور طلبہ کی تعلیم وتربیت اور معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ان کے درمیان نفرت وعداوت کی ایسی دیوار کھڑی ہے جس کا ڈھانا بظاہر مشکل نظر آتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے غور وفکر کا وہ بڑا حصہ جس کو خالص علمی مشاغل، طلبہ کی صحیح تعلیم وتربیت اور عوام کی صحیح رہنمائی میں خرچ ہونا چاہئے تھا، اپنے اپنے نظریات کی تائید واشاعت اور غیر ضروری بحث ومباحثہ میں صرف ہورہا ہے، جسے دیکھ کر یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا ہے کہ آنے والے ایام میں کہیں یہ مدارس خیر کا وسیلہ بننے کے بجائے فکری انتشار اور عملی بے راہ روی کا راستہ نہ اختیار کرلیں اور پھر عوام ان سے بدظن ہوکر ان کو خواب خراب کی طرح فراموش نہ کردیں۔

مقام حیرت وافسوس تو یہ ہے کہ آج بھی وہی درسگاہیں ہیں، وہیں ان کا نظام تعلیم وتربیت ہے اور ان میں وہی قال اللہ وقال الرسول کی صدائے روح نواز ہے، غرض کہ بظاہر سب کچھ اسی منہاج اور ڈھیرے پر موجود ہے، جس پر چل کر اکابر نے کامیابی کی قابل رشک منزلیں طے کی تھیں اور اپنی عظمت ووقعت کا احساس دلایا تھا؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کے غور وفکر کا زاویہ تبدیل ہو چکا ہے، ان کے علمی سوتے بالکل خشک ہوگئے ہیں اور مردم سازی کے ان کے سارے آلات اس طرح زنگ خوردہ اور بے کار ہوگئے ہیں کہ اب باوجود تمام تر کوششوں کے نہ تو ان مدارس سے شیخ الہند وشیخ الاسلام جیسے مردم ساز قائد پیدا ہورہے ہیں، نہ حکیم الاسلام جیسا مصلح ومربی، نہ کہیں حضرت مفتی کفایت اللہ جیسا ذہین ثاقت رکھنے والا مفتی دکھائی دے رہا ہے، نہ مولانا الیاس اور مولانا علی میاں ندوی جیسے مضطرب وبے چین داعی، الغرض آج ان مدارس سے وہ فائدے اور وہ نتائج مکمل طور پر حاصل نہیں ہورہے ہیں، جن کے لیے ان کا قیام وجود میں آتا ہے، اور جن مقاصد کے حصول کی عوام ان سے توقع رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے علماء کا ایک بڑا طبقہ مدارس دینیہ کی اس زبوں حالی سے بے چین ومضطرب ہے اور پوری سنجیدگی وخلوص کے ساتھ حالات کی درستگی کے لیے تدبیریں سوچنے میں مشغول ہے؛ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اب تک حالات کی اصلاح اور مدارس کی اس بگڑتی صورت حال پر قابو پانے کے لیے ان کی جانب سے جتنی بھی آوازیں اٹھتی رہی ہیں وہ سب نصاب کی تبدیلی اور اس کو حالات سے ہم آہنگ بنانے تک محدود ہیں اور ساری توانائیاں اسی میں صرف کی جارہی ہیں۔

اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ موجودہ وقت میں نصاب تعلیم بھی ایک محتاج توجہ امر ہے اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم کو اس کے اصل منہاج پر قائم رکھتے ہوئے حالات واذہان کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے اور اس کے حوالے سے ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے موجودہ عہد کے تقاضوں کو سمجھنے والے باشعور علماء اور جدید عہد کے پیدا کئے ہوئے سوالوں کا جواب دینے والے افراد پیدا ہوسکیں؛ بلکہ بقول مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی ''آج مسلمانوں کو عصری علوم سے اتنی واقفیت ہونی چاہئے جو تحقیق وتنقید کا درجہ رکھتی ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جائے جو ایک طرف کتاب وسنت کے محکمات اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف عصری علوم اور تجزیہ وتحلیل پر حاوی ہو، وہ مسلمانوں کے لیے عصری علوم کی از سر نو تدوین کرسکیں جو اصلاح کے اصول اور اس کی روح کی بنیاد پر ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی زندگی کی تنظیم اور اپنی سالمیت کی حفاظت کرسکیں، چونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے اسلام عروج حاصل کرسکتا ہے، وہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچا سکتا اور دنیا کو اس تباہی سے آگاہ کرسکتا ہے، جو اس کے سر پر منڈلا رہی ہے''۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر)

غرض یہ کہ نصاب تعلیم بلا شبہ ایک محتاج توجہ امر ہے، کیونکہ صحیح علم

اوردرست نظام تعلیم کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے، جو جسم انسانی میں خون کی ہے؛ لیکن یہی سب کچھ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس سے اہم تر معاملہ طلبہ کی تربیت اور مدارس کے اندرونی حالات کو سدھارنے کا ہے، جن سے آج عموماً مدارس خالی نظر آرہے ہیں، کیونکہ ان دنوں علوم دینیہ کی تحصیل کرنے والوں سے جس تیزی کے ساتھ دینی مزاج اور ملت کے ساتھ شیفتگی کا معاملہ ختم ہورہا ہے، اور دینی مدارس کے پروردہ افراد جس تیزی کے ساتھ بے راہ روی کا شکار ہورہے ہیں، اس نے مدارس کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگادیا ہے اور ان کے اس کردار سے عوام وخواص کو نہ صرف کافی مایوسی ہورہی ہے، بلکہ وہ مدارس کے پروردہ افراد کے طرز عمل سے نالاں نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام وانتظامیہ مدارس کے درمیان آئے دن دوری بڑھتی جارہی ہے؛ لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ اہل مدارس کی نظر میں اب بھی ان امور پر توجہ ایک غیرضروری چیز کا درجہ رکھتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس پہلو کو نظر انداز کیا جارہا ہے، جسے ایک المیہ ہی کہا جائے گا۔

اور یہی نہیں بلکہ قابل افسوس امر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص طلبہ کی صحیح تربیت اور رہنمائی کے حوالے سے کوئی قدم بڑھا کر اس سلسلے میں پیش رفت کرتا ہے، تو مدارس کے دیگر افراد کی نظر میں ان کا یہ قدم اور ان کا یہ طرز عمل نہ صرف ناقابل معافی جرم بن جاتا ہے، بلکہ ان کے خلاف ایسا ماحول پیدا کرنے اور ان کے بارے میں ایسا منفی سوچ قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو حوصلہ شکن اور طلبہ کے مفادات کے خلاف ہوتی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اس طرز عمل کو کسی بھی طرح قابل اطمینان اور خوش آئند قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیونکہ اس قسم کے غیر اخلاقی اقدامات سے نہ صرف طلبہ کا بہتر مستقبل سوالیہ نشان کے دائرے میں آجاتا ہے، بلکہ مدارس کے صحیح مقاصد بھی اس میں چھپ کر رہ جاتے ہیں، چونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ تعلیم سے معلومات کا دائرہ تو بڑھتا ہے؛ لیکن سلیقہ اور منزل تک پہنچنے کے لیے راستہ نہیں ملتا اور مستقبل کے لیے راہ عمل تلاش کرنے کی ان میں صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے تو قدم قدم پر طلبہ کی صحیح تربیت ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس کے لیے ایسی راہ نمائی کی ضرورت پڑتی ہے جو طلبہ کو عوام میں مقبول بنا کر ان کو منزل کا پتہ بتاسکیں اور ان کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہو کہ وہ کسی بھی طرح کے چیلنج کا جواب بآسانی دے سکیں، اس روح فرسا صورت حال کا تقاضہ یہ ہے کہ علماء اس کا مکمل بالغ نظری اور دل سوزی کے ساتھ جائزہ لیں اور ایسا لائحہ عمل تیار کریں، جو وقت کا تقاضہ ہے، چونکہ بچے قوم وملت کی امانت ہوتے ہیں جو اساتذہ کے سپرد کئے جاتے ہیں، اگر ان کے ساتھ خیانت کا معاملہ یا غیر ذمہ داری کا برتاؤ کیا جائے تو اس کا جواب اہل مدارس اور ان کے اساتذہ کو بہر حال دینا ہوگا۔

لہٰذا اساتذہ کو ہمہ وقت یہ خیال ہونا چاہئے کہ آج جو طلبہ ان کے سامنے ہیں، کل ان کو یہاں سے نکل کر اپنے معاشرے میں جانا ہے، ان کو اپنے گھر، اپنے معاشرے، اپنے گاؤں اور اپنے شہر کی اصلاح بھی کرنی ہے، ان کو ایسی تحریکیں بھی چلانی ہیں، جو حالات کا تقاضہ ہے، ان کو ایسے اقدامات بھی کرنے ہیں، جو قوم وملت کی بہتری کی ضمانت سمجھے جاتے ہیں، تو کیا یہ تمام مرحلے یوں ہی حل ہوجائیں گے؟ کیا ان کو کتابوں میں مشغول رہنے کے علاوہ کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں؟ کیا ان کو عصری علوم سے وابستگی کے ساتھ ساتھ تقریر وتحریر کی ضرورت نہیں جو ان کے لیے وقت پر ہتھیار کا کام دے سکیں، اگر مدارس کے اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ چیزیں بھی وقت کی اہم ضروریات میں شامل ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ طلبہ کو اس کے لیے تیار نہیں کیا جاتا کیا وجہ ہے کہ ان کے اندر شوق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ہے، کیا مدارس کی کامیابی کا راز اسی طرز عمل میں مضمر ہے؟

اب مدارس کی اس بگڑتی صورت حال سے نمٹنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور آخر اس کے لیے ایسا کون سا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جو اس بحران کا حل بن سکے، تو اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں ان لوگوں کو دیکھنا ہوگا جو طلبہ کے معلم اور مربی ہیں کہ بذات خود ان کا اخلاقی وتربیتی معیار کس حد تک بلند ہے اور وہ طلبہ کی تربیت کے تعلق

سے کس حد تک سنجیدہ، پرخلوص اور فکر مند ہیں، کیونکہ دوران تعلیم طلبہ صرف کلاس کے لکچر منھ کے الفاظ اور بلیک بورڈ کی تحریروں کو ہی نہیں پڑھتے؛ بلکہ وہ اساتذہ کے اخلاق اور طور طریقے کا بھی اثر لیتے ہیں، طلبہ وہی کرتے ہیں جو وہ اپنے اساتذہ کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، طلبہ کا ایک مزاج ہوتا ہے، وہ ہر استاذ کی خوبیوں اور خرابیوں کا بہت جلد اندازہ لگا لیتے ہیں، ایسی صورت حال میں استاذ کا معمولی سا بھی غیر ذمہ دارانہ طرز عمل طلبہ کے اعتماد کو ٹھیس پہونچاتا ہے، ان کی معمولی سی عجلت پسندانہ حرکت طلبہ کے ذہن میں استاذ کے خلاف نفرت کی ایسی دیوار کھڑی کر دیتی ہے، جو کبھی دور نہیں ہوسکتی، چنانچہ ایسے وقت میں مدارس کے اساتذہ کو نہ صرف بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، بلکہ مل بیٹھ کر ان مسائل پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، کہ آخر آج مدارس کا معیار تعلیم اس قدر تیزی سے روبہ زوال کیوں ہے اور آج وہ افراد پیدا کیوں نہیں ہو رہے ہیں، جن کے لیے یہ مدارس جانے جاتے ہیں، اس کے بعد ذمہ داران مدارس پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ایسے اقدامات کریں جن سے طلبہ واساتذہ دونوں کا دینی اور اخلاقی احساس بیدار ہو اور مدارس میں ایک انقلاب کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج مدارس میں طلبہ کی تعلیم پر تو قدرے توجہ دی جاتی ہے، مگر ان کی تربیت کا ذرہ برابر خیال نہیں کیا جاتا، ان کو ایسی راہ نہیں بتلائی جاتی جس پر چل کر وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں اور نہ ہی ان کو ایسا سلیقہ سکھلایا جاتا ہے، کہ وہ بآسانی اپنی منزل کو تلاش کر سکیں، حالاں کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اگر مدارس کا ماحول اچھا ہو، اس میں داخل ہونے والا ہر طالب علم ورع وتقوی، طہارت و پاکیزگی، توکل وبے نیازی، تواضع بے نفسی اور امانت ودیانت میں ڈھل کر نکلے اور اپنے اسلاف کے اسوہ اور عمل کا ایک نمونہ بن کر باہر آئے تو اس کے بعد زمانے کا کوئی بھی رنگ اس پر نہیں چڑھ سکتا اور نہ ہی کوئی گندگی اسے آلودہ کر پائے گی، ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے ماحول کو پاکیزہ، صاف ستھرا اور مضبوط ومستحکم بنایا جائے اور یہ کامیابی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب کہ مدارس میں تربیت کا مستقل ایک شعبہ ہو اور اس کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو، جس کے اندر امت کا درد ہو، ایک کڑھن اور فکر ہو اور وہ اپنے اندر کسی بھی طرح کے غیر اطمینانی حالات سے نمٹنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اس سلسلے میں کامیابی کے حصول کے لیے معمولی سی کوشش ہی کارگر ثابت ہوسکتی ہے، اور اگر بالفرض اس سمت میں کیا جانے والا کوئی تجربہ ناکام ہو جائے تو اس سے مایوس ہو کر بیٹھ جانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ برابر کوشش کرتے رہنا چاہئے، چونکہ ایسی چیز کے حصول کے لیے کسی تجربہ کا ناکام ہو جانا اتنا نقصان دہ نہیں ہوتا جتنا کہ نئے تجربات کا راستہ روک دینا نقصان دہ ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ صرف نصاب میں تغیر وتبدل سے مدارس کو فعال ومتحرک نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ نصاب کو سہل الحصول بنانے سے ممکن ہے کچھ علمی فائدے حاصل ہو جائیں؛ لیکن دینی معاملے اور طلبہ کی تربیت کے سلسلے میں جو نمایاں کمی دکھائی دے رہی ہے، وہ نصاب کی تبدیلی سے پوری نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے لیے پورے نظام اور طریقہ کار پر توجہ دینے کی ضرورت ہے؛ لیکن یہ چیزیں جب ہی ممکن ہوسکتی ہیں کہ اہل مدارس موجودہ دور کی ہمہ گیر دینی واخلاقی زوال کا دور بیٹھ کر شکوہ کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھیں کہ طلبہ کی شکل میں ان کو جو امانت سونپی گئی ہے ان کی اصلاح، ان کی تعلیم وتربیت کو بہتر سے بہتر شکل دینے اور ان کی لازمی ضروریات پر کان دھرنے کی اب تک انہوں نے کتنی کوشش کی ہے، طلبہ کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے ان کی جانب سے کیا اقدامات ہو رہے ہیں اور جن فضائل واعمال کی وہ طلبہ کو تلقین کرتے ہیں ان پر وہ خود کس حد تک عمل پیرا ہیں، چونکہ جب اساتذہ میں یہ احساس بیدار ہوگا تب ہی وہ کامیاب استاذ کا کردار ادا کر سکیں گے، اس لیے اساتذہ کو پوری سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ طلبہ کی تربیت پر توجہ دینی چاہئے، تاکہ مدارس کے مثبت نتائج سامنے آئیں، اگر ایسا نہیں ہوتا اور مدارس کے اساتذہ طلبہ کی صحیح تربیت کی طرف توجہ دے کر ان کے اندر اسلامی سوچ اور بلند فکر

پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے، ان کو آنے والی زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل وحالات سے آگاہ کرکے ان سے مقابلہ کی ان میں جرأت وہمت کا جذبہ قائم نہیں کرتے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آنیوالا وقت ان سے اس جرم کا جواب مانگے گا، چونکہ مدرسہ کا کام صرف چند درسی کتابیں پڑھا دینا نہیں؛ بلکہ اس کا کام ایسے باضمیر وباعقیدہ، باایمان وباحوصلہ اور باہمت افراد پیدا کرنا ہے، جواس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینارہ کی طرف قائم رہیں اور امت کی ہدایت ورہنمائی کا کام انجام دیں۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کی جائے اور ان کی ایسی تربیت کی جائے، جو وقت کا تقاضہ ہے اور یہ چیزیں اس لیے بھی ضروری ہیں تاکہ مدارس کے مضبوط حصار سے نکلنے کے بعد جن حالات سے ان کو سابقہ پڑے وہ ان کے لیے نامانوس اور اجنبی نہ ہوں اور ان کو یہ سوچنے پر مجبور نہ ہونا پڑے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ ایک ایسے قلعہ میں رہ کر گزار دیا ہے جس کا باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ وہ اس پوزیشن میں ہوں کہ موجودہ تمدن جس کی رگ وپے میں الحاد ودہریت کا خون دوڑ رہا ہے، اس کو اسلام اور خالق اقدار کے سانچے میں ڈھال کر مسلمان بنا سکیں، اسلام کے پیش کردہ نظام حیات اور اس کے تمام شعبوں پر ان کو گہری بصیرت حاصل ہو، اسلام کے خلاف ہونے والے فکری اور نظریاتی اعتراض سے بھی وہ نابلد نہ ہوں، بلکہ وہ اس کا مثبت جواب دینے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتے ہوں، اور وہ تبلیغ دین کا کام پوری آزادی سے انجام دے سکیں، ایسا نہ ہو کہ تبلیغ دین کا یہ سپاہی پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ اٹھے مگر رفتار زمانہ سے ہم آہنگ اور اپنی صحیح تربیت نہ ہونے کے سبب حالات سے تنگ آکر ہمت ہار دے، اور پھر عوام کو اپنے قیمتی سرمایہ کے ضیاع کا شکوہ ہونے لگے، اس لیے قبل اس کے کہ اس قسم کے احوال سامنے آئیں ان سے نمٹنے کی ابھی سے ہی تیاری کرنی چاہئے تاکہ بعد میں کف افسوس نہ ملنا پڑے۔

تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: خطبات ہاشم (جلد اوّل)

نام مرتب: مولانا نثار احمد سہارنپوری

صفحات: ۲۴۸ر قیمت: ۱۷۰ر روپئے

ناشر: الخیریہ اکیڈمی سندر پور، سہارنپور (یوپی)

زیر تبصرہ کتاب حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی مدظلہ العالی نائب مہتمم جامعہ کاشف العلوم چھٹملپور کے ان ۱۲ر خطبات کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے مختلف موقعوں پر مختلف تقاریب میں عوام کے سامنے پیش فرمائے، مولانا نے اپنے خطبات میں جو باتیں کہیں ہیں وہ از دل خیزد بر دل ریزد کی مصداق ہیں، میں نے اگرچہ مولانا کے خطبات کو صرف پڑھا ہے سنا نہیں ہے، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ مقرر وخطیب تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں، جو صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں، مگر عملی طور پر بھی ان کی زندگی میں مقرر وخطیب کی شعلہ بیانی کا عکس ہو، ایسا کم ہوتا ہے، حضرت مولانا سے میرے تعارف کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی، ان سے پہلی ملاقات پر میں ان کی تواضع سے بے حد متاثر ہوا، اس وقت انہوں نے اپنے خطبات کی ایک جلد بھی مجھے پیش کی تھی، تاہم ان کی محبت میرے دل میں اس وقت عشق کا درجہ اختیار کرگئی جب حضرت مولانا کو راقم سطور نے اپنی کتاب "الامامة فی الصلاة مسائلها وأحكامها" (جو عربی میں ہے) کو پیش کیا تو انہوں نے اس کتاب کو سر پر رکھا، پھر چوما اور پھر سینے سے لگایا، میں ان کے اس عمل سے ان کا دیوانہ بن گیا، اس سے یہ نکتہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ اگر خالق کائنات کی مخلوق کو کوئی سینے سے لگائے تو اللہ رب العزت کو اس پر کتنا پیار آئے گا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہر ایک کے ساتھ ہی اس طرح پیش آتے ہوں گے، درحقیقت ان کے خطبات ''قول بلا عمل'' نہیں بلکہ ان کے عمل کی جیتی جاگتی تصویر ہے، ان کے خطباب کے عناوین مندرجہ ذیل ہیں: (۱) پوری انسانیت خسارہ میں ہے لیکن ...... (۲) اسوۂ حسنہ (۳) قرآن کریم اور ہماری زندگی (۴) اپنی جماعت سے دو باتیں (۵) خطابت کی سحر آفرینی (۶) دعوت، محنت اور داعی کے اوصاف (۷) کمالات انسانی اور مقصد حیات (۸) کامیابی کے ساتھ اوصاف (۹) مساجد کی ضرورت واہمیت (۱۰) تعلیم نسواں (۱۱) النکاح من سنتی (۱۲) روح کا کینسر۔

اور پھر مرتب محترم مولانا نثار احمد صاحب سہارنپوری نے ذیلی عناوین لگا کر ان کو اور زیادہ قابل فہم وقابل استفادہ بنا دیا ہے، اس لیے امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب قارئین کے دل ودماغ کو اپیل کرنے والی، ان کی عملی زندگی میں مہمیز کا کام کرنے والی ہوگی، اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور حضرت کے فیض کو تا دیر جاری وساری رکھے، کتاب مجلد، بہترین کتابت وطباعت سے مزین ہے۔

محاسن اسلام

کیسا بے رحم ہے انسان

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری مرکز احیاء الفکر الاسلامی

”وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ“ (سورہ النحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۳)

اور جب خوشخبری ملے ان میں سے کسی کو بیٹی کی، سارے دن رہے اس کا منھ سیاہ اور جی ہی جی میں گھٹتا رہے، چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی، آیا اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے ان لوگوں سے خطاب کیا ہے جو لوگ بیٹیوں کی پیدائش پر ناگواری کا اظہار کرتے ہیں، یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت وغم سے تیور چڑھ جاتے اور دن بھر ناخوشی سی رہتی، چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہتا ہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آ گئی، یعنی رسمی ننگ وعار کے تصور سے کہ لڑکی اگر زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا، غرضیکہ بیٹی کے پیدا ہونے سے لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا، ادھر ادھر چھپتا پھرتا اور شب وروز ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے اور تجویزیں سوچتا رہتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے (یعنی ہلاک کر ڈالے) جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لوگ لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔

مگر یہ باتیں اسلام سے پہلے تھیں اور اسلام نے آ کر اس رسم قبیح کو مٹایا اور اس کا قلع قمع کیا اور اس بات کی تلقین فرمائی کہ لڑکی بھی اللہ کی مخلوق ہے جس طرح لڑکا اللہ کی مخلوق ہے، اس لیے کسی کو اس کی جان لینے کا حق حاصل نہیں؛ کیونکہ جس مختار کل نے اسے پیدا کیا ہے، صرف وہی اسے مارنے کا حق بھی رکھتا ہے، یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں تو بکثرت پایا ہی جاتا تھا؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا، جس کو خود عملی جامہ پہنانے والے نے آ کر حضور سے بیان کیا، جس کی تفصیل کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا روئے کہ آپ کا چہرہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ عرض کیا کہ مجھے ایک طویل سفر درکار تھا اور میری زوجہ حاملہ تھی، میں نے اپنی بیوی کو تلقین کی کہ اگر بیٹا پیدا ہوا تو اس کی اچھی طرح پرورش کرنا، اگر بیٹی پیدا ہوئی تو اس کو زندہ درگور کر دینا، ایک عرصہ کے بعد واپسی پر اس کو معلوم ہوا کہ بچی پیدا ہوئی تھی اور اس کو زندہ درگور کر دیا گیا تھا، کچھ دنوں بعد میرے گھر میں ایک بچی کی آمد ورفت شروع ہوئی، جس کی معصوم ادائیں، انداز گفت وشنید، نشست وبرخاست مجھے بھلے معلوم ہوتے، جب وہ ہنستی کھیلتی تو میری فطری عادت جاگ جاتی (کہ کاش میری بھی بیٹی زندہ ہوتی) اور اس کا معصوم سراپا چہرہ میرے دل پر یوں اثر انداز ہوتا جیسے شبنم کے ٹھنڈے قطرے میرے دل پر ٹپک رہے ہوں، اس کی دل ربا ادائیں مجھے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتیں، چنانچہ ایک دن میں نے بیوی سے پوچھ ہی لیا کہ یہ مانوس اداؤں والی بچی کتنی پیاری لگتی ہے، وہ کون خوش نصیب ہے جس کے چمن میں محبت کی یہ کلی کھلی ہوئی ہے، اس طرح کی پر شوق باتیں سن کر (میری) بیوی دھوکے میں آ گئی، وہ بول اٹھی کہ آپ یہ جان کر بہت خوش ہوں گے کہ وہ خوش نصیب آپ ہی ہیں اور یہ لاڈلی آپ کی لخت جگر ہے۔

بیوی کے منھ سے یہ جملہ سننا تھا کہ یہ محبت کے سب جذبات نفرت

میں تبدیل ہوگئے، انسانیت پر حیوانیت غالب آ گئی، وہ خود کہتا ہے کہ یارسول اللہ! میری آنکھیں شعلے برسانے لگیں، مجھ پر جنون ووحشت چھا گئی، میں نے اس کو بدلتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تو وہ مسکرارہی تھی، میں نے اپنے دل میں کہا آج ہنس لے تو جتنا ہنس سکتی ہے، شام کو سورج کے غروب کے ساتھ ہی تیری زندگی کا سورج بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو جائے گا، چنانچہ رات کو سوتے ہوئے بچی کو انگلی لگائی اور بیدار کیا، آہستہ سے گھر کے ایک کونے سے کدال اٹھائی اور جنگل کی راہ لی، اس کی پیاری ماں کو قطعاً احساس نہ ہوا کہ اس کی وہ لخت جگر جسے اس نے برسوں خوف کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے باپ کی خون خوار نظروں سے بچا کر رکھا تھا، وہ گلدستہ جس کو ماں نے نو مہینے اپنے گلے کا ہار بنایا تھا، وہ حسین پھول جسے اس کی ماں نے آب حیات سے سینچ سینچ کر پالا تھا، آج اپنے باپ کے ہاتھوں ہی اس کی زندگی کا کام تمام ہونے والا تھا۔

چنانچہ وہ کلی میرے پیچھے پیچھے بھاگتی چلی جارہی تھی اور توتلی زبان میں مجھ سے پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی باتیں کرتی جارہی تھی، اس کی اس معصومیت کو دیکھ کر میرا دل کبھی کبھی اس کام کو انجام دینے سے باز رہنے کو کہتا، مگر پھر لوگوں کے طعنوں کا خیال آتے ہی میری درندگی عود کر آتی، بس اتنا سننا تھا کہ حضرت زینبؓ، ام کلثومؓ، رقیہؓ اور فاطمہؓ کے والد، مجسم پیکر، رحمت عالم کے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پوچھتے رہے کہ پھر تم نے اپنا ارادہ بدلا؟ کیوں نہ بدلا؟ وہ کہتا حضور ارادہ کیا بدلتا مجھے تو فکر کھائے جارہی تھی، کہ یہ کام اتنی تاخیر سے کیوں ہورہا ہے۔ العیاذ باللہ

چنانچہ دہشت انگیز بیابان میں جہاں ہر سمت سناٹا چھایا ہوا تھا، میں نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے اپنی بچی کو بٹھایا اور خود زمین کھودنا شروع کردی، کھودنے کی وجہ سے میں پسینے میں شرابور ہوگیا شرم کے مارے نہیں بلکہ اپنی وحشت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، جب بچی نے میری یہ بے حالی اور ماتھے سے پسینہ ٹپکتا دیکھا، تو سایہ چھوڑ کر میرے پاس آئی اور دوپٹے کے ایک پلے سے میرے ماتھے سے پسینہ پوچھنے لگی اور بولی ابوجان! اتنی سخت گرمی میں آپ گڑھا کیوں کھود رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا تجھے دفن کرنے کے لیے، میرا یہ غیر متوقع اور سنگ دلانہ وظالمانہ جواب سن کر بولی، میں نے کیا جرم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ تیرا بیٹی بن کر میرے گھر میں پیدا ہونا ہی اتنا سنگین جرم ہے جس کو برداشت نہیں کیا جاسکتا، وہ بولی ابوجان اگر واقعی یہ جرم ہے، تو میرا نہیں بلکہ فطرت کا ہے، جس نے مجھے بیٹی کی حیثیت سے تیرے گھر میں پیدا کردیا ہے، میں نے کہا کچھ بھی ہو میں اب تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا، چنانچہ وہ چیختی اور چلاتی رہی اور میں نے اسے گڑھے میں دھکا دے کر اوپر سے مٹی ڈال کر دفن کردیا۔

حیرت کا مقام ہے کہ اولاد جو اللہ تبارک وتعالی کی جانب سے ایک عطیہ ہے اگر ہم اس عطیہ کو بار سمجھتے ہیں تو ہماری کتنی بڑی بے وقوفی ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ اس کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کرتے؛ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر عار محسوس کرتے ہیں، جب کہ شریعت میں یہ بات پورے وثوق سے کہی گئی ہے کہ اگر بیٹی پیدا ہو تو اس پر ناخوش ہونا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس کی پرورش وتربیت باعث اجر وثواب ہے، یہی نہیں بلکہ لڑکی کی پیدائش کو رزق کی افزائش کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔

لیکن بعض تو ایسے سنگ دل ثابت ہوئے کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی آغوش مادر سے چھین کر آغوش موت میں ڈھکیل دیا اور ان کو زندگی کے منھ سے نکال کر موت کی آغوش میں سلا دیا ''کیسا بے رحم ہے انسان'' کہ جس نے اس طرح کا کام انجام دیا، جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک پاکباز بیٹی کسی ابر رحمت سے کم نہیں ہوتی، جس کے وجود سے انسان کی زندگی میں ہر وقت سکون وراحت ملتی ہے'' ایک دوسری جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچوں میں اگر لڑکیاں ہیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت ومحبت کا معاملہ کرو؛ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ بیٹیاں خاص الخاص نعمت ہیں۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو گلے سے لگائیں اور بیٹیوں کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کریں، اللہ تعالی تمام انسانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ///// ❁❁❁ /////

ترھیبات

جہنم کے خوفناک مناظر

حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری

اللہ تعالی نے انسانوں اور جنات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے احکام کی پیروی کریں، اگر انہوں نے اپنے مقصد تخلیق کو پس پشت ڈال دیا تو وہ سزا کے مستحق ٹھہرائے جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالی نے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا ہے، تاکہ اپنے فرمانرواں کی آنکھیں جنت کی ابدالآ باد نعمتوں سے ٹھنڈا کرے اور اپنے نافرمانوں کو دوزخ کی گونا گوں تکالیف سے دوچار کرے۔

اللہ تعالی کے نافرمانوں کی دوقسمیں ھیں :

۱- ایک تو وہ نافرمان ہیں جن کے عقائد بالکل درست ہیں؛ لیکن اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوئی اور حدود اللہ کی پابندی نہ کی تو ایسے لوگ یا تو اللہ کے فضل وکرم سے یا شفاعت سے بغیر سزا کے جنت میں چلے جائیں گے، یا دوزخ میں سزا پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔

۲- دوسرے وہ نافرمان ہیں جنھوں نے ایسے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا، جن کی سزا ہمیشہ کے لیے دوزخ ہے، جیسے کفر وشرک ان کی کسی صورت میں بھی مغفرت نہیں ہوگی، جب کہ فرمان خداوندی ہے "اِنَّـہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاوٰهُ النَّارُ" (سورہ مائدہ پ ٦/ ع ١٤)

بے شک جو شخص اللہ تعالی کے ساتھ شریک قرار دیگا سو اس پر اللہ تعالی جنت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

جھنم کھاں ھے ؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور جہنم ساتویں زمین پر ہے،

(فائدہ) یعنی جب حساب وکتاب ہو چکے گا اور لوگ جنت ودوزخ میں چلے جائیں گے، تو ان ساتوں زمینوں کی جگہ دوزخ ہوگی اور ساتوں آسمانوں کی جگہ جنت ہوگی۔ واللہ اعلم

جھنم کے طبقات (گھاٹیاں):

اللہ تعالی کا فرمان ہے "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (سورة نساء پ ٥/ ع ٢١)

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

"لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ" (سورة حجر پ ١٤/ ع ٣) اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے واسطے ان میں سے ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

بعض سلف نے سبعۃ ابواب سے دوزخ کے سات طبقے اوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ ان کے نام حضرت ابن عباس نے یہ بتلائے ہیں جہنم، سفیر، لظی، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ، اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ اور مجموعہ طبقات دونوں پر کیا جاتا ہے، بعض کے نزدیک اس سے جہنم کے سات دروازے مراد ہیں، جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ واللہ اعلم

حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ جہنم کے سات دروازے ہیں وہی اس کے سات منازل ہیں، سب سے اوپر والی منزل میں اہل توحید کو ان کے (برے) اعمال اور دنیا میں ان کی عمروں کے بقدر عذاب دیا جائے گا، پھر ان کو وہاں سے نکال لیا جائے گا، دوسرے طبقہ میں

یہودی تیسرے میں عیسائی، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرکین اورساتویں میں منافقین کوداخل کیا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دوفرشتے آئے ہرایک کے ہاتھ میں لوہے کا ایک ایک گرز تھا، پھر مجھے ایک اورفرشتہ ملا اس کے ہاتھ میں بھی لوہے کا ایک گرز تھا، انہوں نے مجھے کہا ڈرومت تم تو نیک آدمی ہو کاش کہ رات کونماز (نوافل) کی کثرت کرو، پھر یہ مجھے لیکر چل پڑے یہاں تک کہ مجھے جہنم کے کنارہ پر جا کھڑا کیا، تو وہ اس کنویں کی طرح لپٹی ہوئی تھی، جیسے کنواں اوپر سے کسی چیز سے لپٹا ہوتا ہے، رستوں کے درمیان ایک فرشتہ نے لوہے کا ایک گرز اٹھایا ہوا تھا، بس میں نے دیکھا کہ اس کنوئیں میں آدمی ہیں، جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، ان کے سرالٹے ہیں اورمیں نے قریش کے بہت سے کفار کو پہچانا، پھر انہوں نے مجھے دائیں طرف چھوڑ دیا، یہ خواب میں نے (اپنی بہن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سنایا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا بلا شبہ عبداللہ نیک مرد ہے، اس کو کفار کا انجام اور دوزخ کا منظر دکھایا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

دوزخ کی گھرائی :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے، جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم شریف)

فائدہ: یہاں اس سے آخرت کے ستر سال مراد ہوں گے، دنیا کے نہیں، جیسا کہ اس پر بہت سے دلائل دلالت کرتے ہیں۔

دوزخ کی دیواریں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کو چار دیواریں گھیرے ہوئے ہیں، جن میں ہر دیوار کا عرض چالیس سال چلنے کی مسافت رکھتا ہے۔ (ترمذی شریف)

دوزخ کی آگ اوراندھیری :

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کو ایک ہزار سال تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک دھونکا گیا تو اس کی آگ سیاہ ہوگئی چنانچہ دوزخ اب سیاہ اندھیری والی ہے۔ (ترمذی)

عذاب دوزخ کا اندازہ :

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور تسمے آگ کے ہوں گے، جن کی وجہ سے ہانڈی کی طرح اس کا دماغ کھولتا ہوا ہوگا، وہ سمجھے گا کہ مجھے ہی سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے کم عذاب ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

دوزخ کا سانس:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَبِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدّ اَلحَرّ فَابْرِدُوا بِالصَّلٰوۃِ فان شدۃ الحرمن فیح جھنم واشتکت النار الی ربھا فقالت یارب اکل بعضی بعضاً فَاذن لَھَا بنفسین نفسٍ فِیْ الشتاءِ وَنفسٍ فِیْ الصیفِ" (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سخت گرمی ہو تو نماز (ظہر کی) ٹھنڈے وقت پڑھا کرو؛ کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی تیزی کیوجہ سے ہوتی ہے اور نار جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی (کہ میری تیزی بہت بڑھ گئی ہے حتی کہ) میرے کچھ حصے دوسرے حصوں کو کھائے جاتے ہیں، لہٰذا مجھے اجازت دی جائے کہ کسی طرح اپنی گرمی ہلکی کروں، چنانچہ اللہ تعالی نے اس کو دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی، ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک سانس گرمی کے موسم میں (مراد یہ ہے کہ دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سردی کا ایک گرمی کا) کیونکہ جہنم میں ایک عذاب سخت سردی کا بھی ہے جس کو زمہریر کہتے ہیں۔

دوزخ کا ایندھن :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً وَقُوْدُھَا

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورة تحریم پ ۲۸/ ع ۱۹)

اے ایمان والو! تم اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ) فائدہ ہر مسلمان کولازم ہے کہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی راہ پر لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مار سے جس طرح ہو سکے دیندار بنانیکی کوشش کرے۔

جهنم کی وادیاں:

وادی ویل: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل جہنم میں ایک (گہری) وادی ہے جس میں کافر کوڈالا جائے گا، تو اسے پہنچنے سے پہلے چالیس سال لگ جائیں گے۔

وادی غیّ اللہ تعالی نے فرمایا ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا'' (سورة مریم پ ۱۶/ ع ۷)

پھران کی جگہ آئے ناخلف یا اس سے پہلے کھو بیٹھے نماز اور پیچھے پڑ گئے، مزوں کے سو عنقریب دیکھ لیں گے گمراہی کو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

فائدہ: اگلوں کا حال تھا نہ پچھلوں کا ہے کہ دنیا کے مزوں اور نفسانی خواہشات میں پڑ کر خدا تعالی کی عبادت سے غافل ہو گئے، نماز جو اہم العبادات ہے اسے ضائع کر دیا، بعض نے فرض جانا مگر پڑھی نہیں، بعض نے پڑھی تو جماعت اور وقت وغیرہ شروط وحقوق کی رعایت نہ کی، ان میں سے ہر ایک درجہ بدرجہ اپنی گمراہی کو دیکھ لے گا کہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور کس طرح کی بدترین سزا میں پھنساتی ہے، حتی کہ ان میں سے بعض کو جہنم کی اس بدترین وادی میں دھکیلا جائے گا جس کا نام ہی ''غی'' ہے۔

وادی اثام:

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ غین اور اثام جہنم کی تہ میں دو نہریں ہیں، جن میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے۔

وادی جب الحزن: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی سے جب الحزن سے پناہ طلب کرو صحابہ کرام نے پوچھا جب الحزن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جہنم کی ایک وادی ہے جس سے روز آنہ سو مرتبہ خود جہنم پناہ مانگتی ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اس میں کون جائیں گے، آپ نے فرمایا کہ اپنے عملوں کی ریا اور نمود کرنے والے قاری جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

جهنم کا پهاڑ:

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ''سَاُرْهِقُهٗ صَعُودًا'' (سورہ مدثر پ ۲۹/ ع ۱۵) اس کو عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤنگا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ) حضرت ابوسعید راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا جہنم میں ایک پہاڑ ہے، کافر کو اس پر چڑھنے کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پس جب وہ اس پہاڑ پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو ہاتھ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اٹھائے گا تو وہ پہلی حالت میں لوٹ آئے گا اور جب اس پر اپنا پیر رکھے گا تو وہ بھی پگھل جائے گا، پھر جب اسے اٹھائے گا تو وہ بھی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا، یہ اسی حالت میں ستر سال تک چڑھتا رہے گا، اور اتنی ہی مدت تک گرتا رہے گا۔

جهنم کی زنجیریں، هتهکڑیاں، بیڑیاں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے'' اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا'' (سورہ دھر پ ۲۹/ ع ۱۹) ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

''اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ''. (سورہ مومن ۲۴/ ع ۱۳)

جب طوق پڑیں ان کی گردنوں میں اور زنجیریں بھی گھسیٹے جائیں جلتے پانی میں پھر آگ میں ان کو جھونک دیں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

فائدہ: زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا، اس طرح مجرموں کو قیدیوں کی طرح لایا جائے گا، دوزخ میں

کبھی جلتے پانی اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

"خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِيُ سِلُسِلَةٍ ذَرُعُهَا سَبُعُوُنَ ذِرَاعًا فَاسُلُكُوهُ" (سورة الحاقه پ۲۹/ ع ۵)

اس کو پکڑ و پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو ڈالو پھر ایک زنجیر میں جس کا طول ستر گز ہے، اس کو جکڑ دو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

فائدہ: فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑ و طوق گلے میں ڈالو، پھر دوزخ کی آگ میں غوطہ دو اور اس زنجیر میں جس کا طوق ستر گز ہے اس کو جکڑ دو، تاکہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے، گز سے وہاں کا گز مراد ہے، جس کی مقدار اللہ ہی جانے۔

لوہے کے ہتھوڑے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَهُم مَقَامِعُ مِّنُ حَدِيُدٍ كُلَّمَا اَرَادُوا اَنُ يَّخُرُجُوا مِنُهَا مِنُ غَمٍ اُعِيُدو فِيُهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الُحَرِيُق " (سورة الحج پ ۱۷/ ع۹) اور ان کے واسطے ہتھوڑے ہیں لوہے کے جب چاہیں گے کہ نکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈالدیئے جائیں گے، اس کے اندر اور چکھتے رہو جلنے کا عذاب۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی دوزخیوں کے سر کو ہتھوڑے سے کچل کر کھولتا ہوا پانی اوپر سے ڈالدیا جائیگا، جو دماغ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچ جائے گا جس سے سب انتڑی اور اوجھڑی کٹ کٹ کر نکل پڑیگی اور بدن کی بالائی سطح کو جب پانی مس کرے گا تو بدن کا چمڑا گل کر گر پڑے گا، پھر اصلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

دوزخ کے سانپ بچھو:

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر (موٹے) سانپ ہیں، ان میں سے جس کسی نے ایک دفعہ ڈس لیا، تو اس کا زہر چالیس سال تک باقی رہے گا، اسی طرح جہنم میں گابھن خچروں کے مانند (موٹے) بچھو ہیں، ان میں سے جو کوئی ایک دفعہ ڈسے گا تو اس کی گرمی (بھی) چالیس سال تک تکلیف دے گی۔ (رواہ احمد والحاکم بسندہ عن عبداللہ بن الحارث)

دوزخیوں کا کھانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوُمِ طَعَامُ الُاَثِيُمِ كَالُمُهُلِ يَغُلِيُ فِي الُبُطُوُنِ كَغَلِي الُحَمِيُمِ خُذُوُهُ فَاعُتِلُوُهُ اِلَى سَوَاءِ الُجَحِيُمِ ثُمَّ صُبُّوُ فَوُقَ رَاسِهٖ مِنُ عَذَابِ الُحَمِيُمِ ذُقُ اِنَّكَ اَنُتَ الُعَزِيُزِ الُكَرِيُمِ" (سورة دخان پ ۲۵/ ع ۱۶)

بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا، جو کڑوی صورت ہونے میں) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، اور وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑ و پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو، چکھ تو بڑا معزز و مکرم ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یعنی استہزاً کہا جائے گا کہ یہ تیری تعظیم ہو رہی ہے جیسا کہ تو دنیا میں اپنے کو معظم و مکرم سمجھ کر ہمارے احکام سے عار کیا کرتا تھا، زقوم انتہائی کڑوا درخت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ اس دنیا میں گرا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی عیش وعشرت تباہ ہو جائے، پس جس کا کھانا ہی یہی ہوگا اس کا کیا حال ہوگا۔

"اِنَّ لَدَيُنَا اَنُكَالاً وَّجَحِيُمًا وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا اَلِيُمًا " (سورة المزمل پ ۲۹/ ع ۱۳)

البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ) عذاب دردناک سانپوں اور بچھوؤں کا اور خدا جانے کس کس قسم کا (العیاذ باللہ)

" فَلَيُسَ لَهُ الُيَوُمَ هٰهُنَا حَمِيُمٌ وَلاَ طَعَامٌ اِلَّا مِنُ غِسُلِيُنٍ لَايَاكُلُهٗ اِلَّا الُخَاطِئُوُنَ" (سورہ الحاقه پ ۲۹/ ع ۵)

سو کوئی نہیں آج اس کا یہاں دوستدار اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون کوئی نہ کھائے اس کو مگر وہی گنہگار۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

کھانے سے بھی انسان کو قوت پہنچتی ہے، مگر دوزخیوں کو کوئی ایسا مرغوب کھانا نہیں ملے گا، جو راحت وقوت کا سبب ہو، ہاں دوزخیوں کے زخموں کی پیپ دی جائیں گی۔

دوزخیوں کے پینے کی چیز:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ" (سورہ واقعہ پ ۲۷/ ع ۱۵)

پھر پیو گے اس پر ایک جلتا پانی پھر پیو گے، جیسے پئیں اونٹ تونسے ہوئے۔ (ترجمہ شیخ الہند) یعنی گرمی میں تونسا ہوا اونٹ، جیسے پیاس کی شدت سے ایکدم پانی چڑھاتا چلا جاتا ہے، یہی حال دوزخیوں کا ہوگا لیکن وہ گرم پانی جب منھ کے قریب پہنچائیں گے تو منہ کو بھون ڈالے گا اور پیٹ میں پہونچے گا تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑینگی۔ (العیاذ باللہ)

لَايَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْداً وَلَا شَرَاباً اِلَّا حَمِيْماً وَغَسَّاقاً" (سورۃ نباپ ۳۰/ع ۱)

نہ چکھیں وہاں کچھ مزہ ٹھنڈ کا اور نہ پینا ملے کچھ مگر گرم پانی اور بہی پیپ۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

"وَاِنْ يَسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهُ "اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے گا منہ کو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

"وَيُسْقىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيْدٍ" (سورہ کھف پ ۱۵/ ع ۱۶) اور پلائیں گے اس کو پانی پیپ کا۔ (حضرت شیخ الہندؒ)

دوزخیوں کی پوشاک اورلباس:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ" (سورہ حج پ ۱۷/ ع ۹)

سو جو لوگ کافر تھے ان کے (پہننے کے) لیے (قیامت میں) آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ) یعنی آگ چاروں طرف سے سر سے پاؤں تک کپڑوں کی طرح محیط ہوگی جیسے لباس یا حقیقی آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔

دوزخ والوں کے کرتے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ" (سورہ ابراھیم پ ۱۳/ ع ۱۹)

اور دیکھے تو گنہ گاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں کرتے ان کے ہیں گندھک کے اور ڈھانکے لیتی ہے ان کے منہ کو آگ۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قطران سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے، حضرت شیخ الہند اس کا ترجمہ گندھک سے کرتے ہیں اور حضرت تھانویؒ کتب لغت اور طب کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ قطران درخت چیڑ کا روغن ہے، بہر حال گندھک یا چیڑ کے روغن میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اثر کرتی ہے۔

آگ کا اوڑھنا بچھونا:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ" (سورہ اعراف پ ۱٤/۸)

ان کے واسطے دوزخ کا بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا (ترجمہ حضرت شیخ الہند) یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی کسی کروٹ چین نہ ملے گا۔

دوزخ کے داروغہ اور سپاھی:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "علیھا تسعة عشر" (سورہ مدثر پ ۲۹/ ع ۱۵) اس پر مقرر ہیں انیس فرشتے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کا لشکر ہوگا اس کے افسر انیس فرشتے ہوں گے جن میں سب سے بڑے ذمہ دار کا نام مالک ہے، پھر ان انیس افسروں کے ماتحت بے شمار فرشتے ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ" (سورہ مدثر) اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو مگر خود ہی۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تند خو زبردست فرشتے:

وہ فرشتے جو جہنم پر مقرر ہیں ان کی تندخوئی اور طاقت کا ذکر کرتے

ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا"علیها ملائكة غلاظ شداد لا يعصون الله ماامرهم ويفعلون مايؤمرون" (سورہ تحریم پ۲۸/ ع ۱۹) اس پر مقرر ہیں فرشتے تندخو زبردست، نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرماتے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو۔(ترجمہ شیخ الہندؒ)

یعنی مجرموں کو نہ رحم کھا کر چھوڑیں نہ ان کی زبردست گرفت سے کوئی چھوٹ کر بھاگ سکے اور نہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اس کے احکام بجالانے میں سستی اور دیر ہوتی ہے، نہ امتثال حکم سے عاجز ہیں۔

اکثر دوزخی کون ہوں گے :

اصل دوزخی تو وہ ہوں گے جن کے لیے دوزخ تیار کی گئی ہے، یہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ" (سورہ بقرہ) جہنم کفار کے لیے تیار کی گئی ہے، یہ ان نافرمان مسلمانوں سے زیادہ ہوں گے جو دوزخ میں جل کر گناہوں کی صفائی اور پاکیزگی حاصل کر کے نکالے جائیں گے۔

گناہ کبیرہ کے مرتکب جھنم میں :

ایک حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ دس آدمیوں کو خاص طور سے عذاب ہوگا منجملہ ان کے نماز چھوڑنے والا بھی ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے منہ اور پشت پر ضرب لگا رہے ہوں گے، جنت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلق نہیں نہ میں تیرے لیے نہ تو میرے لیے، دوزخ کہے گی آ جا میرے پاس آ جا تو میرے لیے ہے، میں تیرے لیے، یہ بھی نقل کیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی (جنگل) ہے جس کا نام ہے لم لم اس میں سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے، اس میں نماز چھوڑنے والوں کو عذاب دیا جائے گا، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک میدان ہے جس کا نام جب الحزن ہے، وہ بچھوؤں کا گھر ہے اور ہر بچھو خچر کے برابر بڑا ہے، وہ بھی نماز چھوڑنے والے کو ڈسنے کے لیے ہیں۔

زکوۃ ادانہ کرنیوالا:

ارشاد باری تعالی ہے"وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَاکَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَاکُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ" (پ۱۰/ع۱۱) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی گردنوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا، یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔(ترجمہ حضرت تھانویؒ) یعنی جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو، مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں مثلاً زکوۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں تو ان کی یہ سزا ہے۔

شرابی کی سزا:

حضرت ابوموسی اشعری کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ شراب کا عادی تھا اللہ تعالی اسے نہر الغوطہ سے پلائیں گے، عرض کیا گیا کہ نہر الغوطہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدکار عورتوں کی پیشاب گاہوں سے نکلے گی ان کی پیشاب گاہوں کی بدبو دوزخیوں کو تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر دیگی۔(رواہ امام احمد)

نافرمان بیٹے کی سزا:

حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا''اس کی ران دوزخ میں احد (پہاڑ) کے برابر ہوگی اور اس کی ڈاڑھ بیضاء (پہاڑ) کے برابر ہوگی، میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ایسا کیوں ہوگا آپ نے فرمایا اس لیے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان تھا۔

بے عمل عالم کا انجام:

امام شعبی فرماتے ہیں کہ جنت سے ایک جماعت جہنم کی ایک جماعت کو جھانک کر دیکھے گی تو کہے گی تمہیں کیا ہوگیا، تم لوگ جہنم میں کیوں ہو جب کہ ہم اسی پر تو عمل کرتے تھے جو تم ہمیں سکھلاتے تھے تو وہ کہیں گے ہم تمہیں (دین کی) تعلیم دیتے تھے، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (رواہ امام احمد)

دوزخ میں عورتیں زیادہ ہونگی:

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ ضرور دیا کرو، کیوں کہ میں نے تمہیں زیادہ تر دوزخیوں میں دیکھا ہے، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس وجہ سے، آپ نے فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور اپنے ساتھ رہن سہن کرنے والے (یعنی خاوندوں) کے حقوق بجا نہیں لاتی ہو، میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص عورتوں کو نہیں دیکھا جو تم میں کے مستقل مزاج آدمی کی عقل پر غالب آجاتی ہیں۔ (بخاری ومسلم)

ریاکار:

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ریاکار حافظوں شہیدوں اور دولتمندوں کو حاضر کیا جائے گا اور سب سے پہلے جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ (مسلم شریف)

علم دین چھپانے والا:

جس سے علم دین کی کوئی بات دریافت کی گئی یا کوئی مسئلہ پوچھا گیا لیکن اس نے دنیاوی مصالح کی بنا پر اس کو چھپایا تو یہ عالم قیامت میں ایسی حالت کے ساتھ آئے گا کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام پڑی ہوگی۔ (ترمذی شریف)

مومن کا قاتل:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّداً فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْماً " (سورۃ نساء پ ۵ ع ۱۰) اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے، پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک خلود اسکے لیے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے، کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا۔

حدیث میں ہے کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر سارے زمین و آسمان والے مل کر کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کریں گے تو اللہ تعالی قیامت کے روز ان سب کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔ (طبرانی)

قیامت میں مقتول کی عجیب حالت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت میں مقتول کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کا گریبان پکڑے ہوئے ہوگا، مقتول کی رگوں سے تازہ خون بہہ رہا ہوگا، یہ اسی حالت میں عرش کے نزدیک پہنچ کر عرض کرے گا، الٰہی مجھے اس نے قتل کیا ہے حق تعالی کی طرف سے قاتل کو پیغام ہلاکت سنایا جائے گا اور دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ (ترمذی)

خودکشی کرنے والے کا انجام:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی جان کو ہلاک کیا تو قیامت میں اس کو یہی عذاب دیا جائے گا کہ وہ اپنی جان کو ہلاک کرتا رہے گا اور پھر جس نے اپنے آپ کو (دنیا میں) پہاڑ سے گرایا ہوگا وہ پہاڑ سے گرایا جاتا رہے گا اور جس نے زہر پیا وہ زہر پلایا جاتا رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا، وہ چھری سے ذبح ہوتا رہے گا۔ (بخاری ومسلم)

قارئین کرام! دوزخ اور اہل دوزخ کے مختصر احوال آپ نے ملاحظہ فرمائے اعمال صالحہ سے خدا تعالی کو راضی کر کے جنت کے مستحق بنیں اور اعمال سیئہ سے بچ کر دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل کریں۔ اللھم احسن عاقبافی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرۃ۔

/////☆☆☆/////

رپورٹ

مرکز میں جلسہ تقسیم انعامات واصلاح معاشرہ

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

مسلم معاشرہ میں تیزی سے آ رہا بگاڑ وقت کا ایک ایسا المیہ ہے جس کی اصلاح اور معاشرہ کو صاف ستھرا بنانے کے لیے انفرادی واجتماعی کوششیں کی جانی چاہئے،اس خیال کا اظہار مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں منعقد جلسہ تقسیم انعامات کے موقعہ پر مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک) نے کیا،انہوں نے معاشرے کی خرابیوں پر اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ معاشرے کی اصلاح اور اس کی بہتر تعمیر میں ہماری معمولی سی کوتاہی ہماری تباہی وبربادی کا باعث بن سکی ہے،واضح رہے کہ مورخہ ۲۴؍۳؍۲۰۰۷ء کو مرکز میں مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کے قائم کردہ اکیڈمی ''مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی'' کے زیر اہتمام چل رہے اسلامیات کے کورس میں حصہ لے کر اس کے امتحانات میں اعلیٰ نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کو دیئے گئے انعامات کی تقسیم کے لیے ایک اہم جلسہ کا انعقاد عمل میں آیا جس کی صدارت مولانا محمد عمر مجاہد پوری نے کی۔

جلسہ کا آغاز مرکز کے ایک طالب علم قاری محمد امجد کی تلاوت اور محمد عثمان کی نظم سے ہوا،اس کے بعد مرکز کے رئیس مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی طرف سے مہمانوں کی آمد پر خطبہ استقبالیہ پیش کیا گیا،اس اہم موقع پر بھٹکل کرناٹک سے مہمان خصوصی کے طور پر تشریف لائے،ماسٹر محمد شفیع ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے عوام کی ایک جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ وقت میں مسلمانوں کی دین سے دوری حد درجہ افسوسناک ہے،انہوں نے کہا کہ دینی بے راہ روی کے سبب مسلم طبقہ جس تباہی کی طرف جارہا ہے اس نے پورے معاشرے کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے،مولانا محمد اقبال ملا نے کہا کہ ہم صرف ایک دینی،فکری ودینی احساس کو لے کر آپ کے پاس آئے ہیں،تاکہ آپسی گفتگو کے ذریعہ معاشرہ کی خرابیوں کے خاتمہ کے لیے مؤثر طریقے سامنے آسکیں،ورنہ اگر ہم نے اس میں معمولی سی بھی کوتاہی برتی تو اس کے منفی اثرات پھیلیں گے اور پھر اس کا حل کر پانا مشکل ہو جائے گا،جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے استاذ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے جنرل سکریٹری نے اپنے اکیڈمی کا مؤثر انداز میں تعارف کرایا اور اس کی اب تک کی کارگزاری پر روشنی ڈالتے ہوئے مرکز کے تحت چل رہے دونوں اداروں جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ وجامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات سے اس اسلامیات کے کورس میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ وطالبات کو مبارک باد دی جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کے مہتمم مولانا محمد اختر قاسمی نے کہا کہ ہم جس نبی کو ماننے والے ہیں ان کی زندگی اور ان کے طرز عمل کو اسوہ اور نمونہ بنا کر ہمیں اپنے آپ کو اصلاحی موڑ پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے اس کے بغیر ہم کامیابی کی منزل کو نہیں پاسکتے۔

واضح رہے کہ اس جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر مرکز کے ۶؍طلبہ وطالبات کو انعامات سے نوازا گیا جن میں سے بالترتیب دو افراد محمد شاہ رخ سہارنپوری اور عائشہ خان دہلی کو گولڈ میڈل اور بالترتیب چار طلبہ وطالبات محمد قمر الزماں سمستی پوری سائرہ بانو مجاہد پور،حسیبہ خاتون گھانا اور عرشیہ خاتون مغل مزرعہ کو سلور میڈل دیئے گئے،چونکہ اسلامیات کے اس امتحان میں مرکز سے غیر معمولی تعداد میں طلبہ نے شرکت کی تھی،اس لیے اعزازی طور پر مولانا محمد الیاس ندوی کے ہاتھوں ایک گولڈ میڈل مرکز کے ناظم مولانا محمد مفتی مسعود عزیزی ندوی کو بھی مرکز کے لیے دیا گیا،توجہ طلب بات یہ ہے کہ اس سال اس امتحان میں مرکز سے ۶۲؍طلبہ وطالبات نے شرکت کی تھی۔

دیر رات تک چلتے رہے اس اہم جلسہ کی نظامت کے فرائض ماہنامہ نقوش اسلام کے سب ایڈیٹر مولانا محمد ارشد فیضی نے انجام دیئے،جب کہ اس جلسہ میں علماء اور عوام کی ایک بڑی تعداد شریک رہی،جن میں مولانا محمد طاہر قاسمی،مولانا عبدالمتین مظاہری،ڈاکٹر شفیق علیگ،منشی عتیق احمد،مولانا خالد زاہد ندوی،مولانا نظام الدین ندوی،مولانا حمید اللہ قاسمی،قاری محمد ندیم کھجناوری،قاری محمد مشفق قاسمی،حافظ عبدالستار عزیزی،ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی،مولانا زاہد حسن ندوی اور حافظ محمد ایوب صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

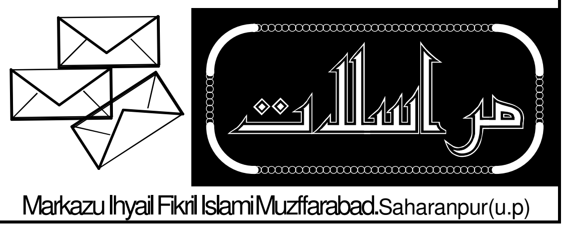

محترمی ومکرمی جناب مسعودعزیزی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، الحمدللہ ماہنامہ نقوش اسلام موصول ہوا، مضامین پڑھ کر بے حد خوشی ومسرت ہوئی، ماشاء اللہ مضامین نہایت دلکش اوراچھوتے نظر آئے، اسلامی معلومات سے بھر پوررسالہ کومزین پایا، یقیناً نقوش اسلام کے بارے میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ ایک علمی، فکری، اصلاحی اور تحقیقی رسالہ ہے، صحافت کی دنیامیں اس نے اپنا الگ مقام اور مستقل جگہ بنالی ہے، یقیناً امت مسلمہ کواس ماہنامہ سے ضرورفائدہ پہونچے گا، رب العالمین اس رسالہ کو قبولیت سے نوازے اور آپ کو مزید ہمت واستقامت عطافرمائے۔

فقط والسلام

محمدانتخاب، سہنہ پوری

مکرم ومحترم جناب مولانامفتی مسعودعزیزی ندوی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ نقوش اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداکرے مزاج گرامی مع تمام کارکنان نقوش اسلام بخیر ہوں، بندہ بھی بفضل تعالیٰ بخیر ہے، دیگرتحریر یہ ہے کہ محرم ۱۴۲۸ھ کا شمارہ ''نقوش اسلام''، معمول کے مطابق نظرنواز ہوا، مسرت کی بات یہ ہے کہ ''نقوش اسلام'' نے دیکھتے ہی دیکھتے سالانہ منزل طے کرلی اورغیرمعمولی طورپر مقبولیت کا شاہکارثابت ہوا''نقوش اسلام'' کی سالگرہ کے حسین موقع پرتمام عاملۂ''نقوش اسلام'' کومبارکباددیتے ہوئے یہ مسرت بخش پیام ہدیہ خاص وعام کرتے ہیں کہ ایک سال تک اردوزبان میں کسی رسالہ کو نکال کر جاری رکھنا اچھے مستقبل کی ضمانت ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ جب ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی توفیق ہوتی ہے تواس سے اس کی مقبولیت کا پتہ چلتاہے، اسی طرح ایک سال کے بعد دوسرے سال میں داخل ہوکر رسالہ کو جاری رکھنا سابقہ سال میں اس کی مقبولیت اورشہرت کی واضح دلیل ہے، مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے جب ''فکرونظر'' نامی رسالہ جاری فرمایاتواس کے پہلے اداریہ میں تحریرفرمایاتھاکہ ''اس وقت اردو پرچہ نکالنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے، خوش نصیب ہیں آپ کہ آپ نے اس دشوارگزارمہم کو طے کرکے ثابت کردیا کہ ؎

رزم ہویابزم ہو پاک دل وپاک باز

خدا شرف قبولیت سے نوازے اورجس طرح ایک سال طے ہوا اسی طرح ایک دن ''نقوش اسلام'' صدی (سینچری) بھی پوری کرے۔آمین

والسلام

العبدالضعیف

محمد ناصربن ایوب انبالوی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تعلیم وتربیت کا نیامثالی ادارہ دارالعلوم اسعدیہ

بیادگار: امیرالہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ

سرپرست: مفکرملت حضرت مولانا خورشید احمد صاحب

دارالعلوم اسعدیہ ایک ایسا تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے، جس کا قیام ۲۱/جنوری ۲۰۰۷ء مطابق یکم محرم ۱۴۲۸ھ کو حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم اعلیٰ مظاہرعلوم سہارنپور کے دست مبارک سے عمل میں آیا، جس میں قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھانے کا معقول نظم کیا گیاہے، نیزعربی چہارم کے ساتھ عصری تعلیم جونیئر ہائی اسکول تک کی تعلیم کا بھی بندوبست ہے، جس میں مختلف صنعت وحرفت ودستکاری کی تربیت بھی دی جارہی ہے، داخلہ کے خواہش مندطلبہ جلدازجلدرجوع فرمائیں، سیٹیں محدود ہیں، اہل خیرحضرات سے گراں قدرتعاون کی درخواست ہے۔

ناظم: مولانامفتی محمد احمد قاسمی، رائے پورروڈ، سرساوہ، ضلع سہارنپور یوپی

موبائل نمبر:9759560845 01331-244925

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

مرکز میں اوپن اسلامک کورس کے امتحانات

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کے قائم کردہ ادارہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کے تحت چل رہے اوپن اسلامک کورس کے امتحانات مرکز میں ۸/فروری ۲۰۰۷ء کو منعقد ہوئے، جس میں مرکز کے تحت چل رہے دونوں اداروں جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات سے ۶۲/طلبہ وطالبات نے شرکت کی، جن میں سے ۲/کو اول پوزیشن اور ۴/کو دوم پوزیشن کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

مرکز میں علماء گجرات کے وفد کی آمد

۱۰/مارچ ۲۰۰۷ء کو مولانا محمد منذر ندوی اور مولانا وصی اللہ اساتذہ جامعہ دارالقرآن سرخیز (احمد آباد) پر مشتمل دورکنی وفد کی مرکز میں حاضری ہوئی اور انہوں نے مرکز کے تحت چل رہے دونوں اداروں کی اب تک کی کارکردگی کا جائزہ لے کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

واضح رہے کہ اس وفد کی آمد کا مقصد پورے ضلع سہارنپور کے ان مدارس کا جائزہ لینا اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا تھا جہاں سے بغرض چندہ سفراء احمد آباد کا سفر کرتے ہیں، تاکہ اس جائزہ کے تناظر میں ان کے لیے زکاۃ وصدقات کے اموال سے مستحق اداروں کا تعاون آسان ہوسکے، قابل توجہ بات یہ ہے کہ پورے ہندوستان سے جو بھی سفراء احمد آباد تشریف لے جاتے ہیں ان کو احمد آباد میں چندہ کے لیے ان ہی کے ادارہ سے تصدیق دی جاتی ہے، ان کا یہ دورہ کل پانچ دنوں پر مشتمل رہا جس کے دوران انہوں نے تقریباً ۸۵/مدارس کا جائزہ لیا۔

مدرسہ معارف الفرقان اوجھاری کا دورہ

۱۷/مارچ ۲۰۰۷ء کو مدرسہ معارف القرآن اوجھاری کے مہتمم مولانا محمد سلیمان صاحب کی خصوصی دعوت پر مرکز کے رئیس مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی اور ماہنامہ نقوش اسلام کے سب ایڈیٹر مولانا محمد ارشد فیضی نے ان کے ادارہ کا سفر کرکے ان کے مدرسہ کے احوال وکوائف سے واقفیت حاصل کی اور وہاں کے نظام تعلیم وتربیت اور مدرسہ کی تعمیر وترقی کو دیکھا، رات کو قیام کرکے اگلے دن ان کی واپسی ہوئی۔

مرکز میں بھٹکل کے علماء کی آمد

۲۳/مارچ ۲۰۰۷ء کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی کی طرف سے چل رہے اوپن اسلامک کورس کے امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے درمیان انعامات کی تقسیم کے لیے منعقد جلسے میں شرکت کے لیے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے ۸/افراد پر مشتمل بھٹکل (کرناٹک) سے علماء کرام کا ایک وفد آیا، جن میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم مولانا عبدالباری صاحب ندوی، جامعہ کے ناظم ماسٹر محمد شفیع، جامعہ کے استاد اور ''مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی'' کے بانی وجنرل سکریٹری مولانا محمد الیاس صاحب ندوی، مولانا محمد اقبال ملاّ ندوی، مولانا نعمت اللہ ندوی کے علاوہ بھٹکل کے بعض رؤساء شریک تھے، انہوں نے پروگرام میں شرکت کے بعد طلبہ کے درمیان گولڈ میڈل اور سلور میڈل کی شکل میں گراں قدر انعامات تقسیم کئے جن میں دو بچوں کو گولڈ میڈل اور چار بچوں کو سلور میڈل سے نوازا، نیز مرکز کے نظام تعلیم وتربیت کو سراہا۔

مرکز میں ششماہی امتحانات

مرکز کے تحت چلنے والے دونوں اداروں میں پچھلے دنوں ششماہی امتحان کی گرما گرمی رہی، جامعہ فاطمۃ الزہراء میں مورخہ ۲۵/مارچ بروز اتوار سے امتحانات کا آغاز ہوا، جب کہ جامعہ الامام ابی الحسن الاسلامیہ میں یہ امتحانات مورخہ ۲۷/مارچ بروز منگل سے منعقد ہوئے، واضح رہے کہ ان دونوں اداروں کے امتحانات ایک ساتھ جمعرات کو پورے ہوئے، اس کے بعد ایک ہفتہ تک دونوں اداروں میں چھٹی رہی۔